صدرِ پاکستان
جنرل محمدّ ضیاء الحق

تقاریر

آٹھواں حصّہ

یکم جولائی ـ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۹ء

صدرِ پاکستان

جنرل محمّد ضیاء الحق

تقاریر

آٹھواں حصّہ

یکم جولائی ۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۹ء

فہرست

پیش لفظ

صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق کی تقریروں اور خطابات پر مشتمل یہ آٹھواں مجموعہ ہے۔ اس میں اُن تقریروں کا مکمل متن درج ہے جو موصوف نے جولائی، اگست اور ستمبر ۱۹۷۹ء کی سہ ماہی میں کیں۔ ان تقریروں کے مرکزی مضامین متنوّع ہیں جن میں پاکستان کی مجموعی قومی زندگی منعکس ہوتی ہے۔

اس عرصے کے تاریخی حیثیت سے دو اہم واقعات ہیں۔ پہلا ہوانا (کیوبا) میں منعقد ہونے والی غیر وابستہ تحریک کی چھٹی سربراہ کانفرنس میں باقاعدہ رکن کی حیثیت سے پاکستانی وفد کی شرکت ہے اور دوسرا پاکستان میں بلدیاتی اداروں کے انتخابات اور نیا بلدیاتی نظام۔

غیر وابستہ تحریک کی سربراہ کانفرنس میں صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق کی تقریر ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں انہوں نے چودہ سو سال پہلے برپا ہونے والے اسلامی انقلاب کا امن و سلامتی اور مساواتِ انسانی کا پیغام دنیا کے

راہنماؤں کو دیا۔ اس کے علاوہ تمام بڑے بڑے عالمی مسائل اور اُن کے بارے میں پاکستان کا نقطۂ نظر واضح الفاظ میں پیش کیا۔ اُن کی یہ تقریر علامہ اقبال کے اس شعر کی تفسیر نظر آتی ہے ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

بلدیاتی اداروں کا نیا نظام اور پندرہ سال کے التوا کے بعد منعقد ہونے والے لوکل باڈیز کے انتخابات کے خدوخال صدرِ پاکستان کی ان تقریروں میں واضح ہوتے ہیں۔ یہ ادارے پاکستان میں جمہوریت کی خشتِ اوّل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

اس مجموعے میں صدرِ پاکستان کی وہ تقریریں بھی شامل ہیں جو انہوں نے اپنی عوامی رابطے کی مہم کے دوران شہریوں کے مختلف اجتماعات میں کیں۔ ان کی حیثیت باقاعدہ تقریروں کی بجائے غیر رسمی گفتگو کی سی ہے۔ ان میں صدرِ پاکستان نے بلا جھجک ملکی اور مقامی مسائل پر بات چیت کی ہے، حکومت کی کوتاہیاں تسلیم کی ہیں، معاشرتی مسائل کا بے لاگ تبصرہ کیا ہے، ان کے حل کے لئے لوگوں کے مشورے سُنے ہیں اور اسلامی اصولوں پر مبنی اپنے تصوّرات پیش کئے ہیں۔ ان کا اندازِ گفتگو سادہ اور تکلّف سے پاک ہے جو "از دل خیزد بر دل ریزد" کی تفسیر ہے۔

حسبِ سابق ہر تقریر کے آغاز میں تقریب کی نوعیت، اہمیت اور تقریر کے خصوصی نکات کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں اہم حالات، واقعات، موضوعات اور شخصیات کا انڈیکس دیا گیا ہے۔

(ادارہ)

وائس چانسلروں کی میٹنگ سے خطاب

۱۷ جولائی ۱۹۷۹ء

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے زیر اہتمام پاکستان کی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر حضرات کی دوسری میٹنگ اسلام آباد میں منعقد ہوئی جس سے صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاالحق نے خطاب کیا۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ یونیورسٹیاں ملک کو بیدار مغز قیادت مہیا کریں گی اور ملک کو درپیش مسائل کا قابلِ قبول اور قابلِ عمل حل تجویز کریں گی۔

صدرِ پاکستان نے اسلام آباد میں ایوب انسٹی ٹیوٹ برائے سائنس و تکنیکی تحقیق کے قیام کی منظوری دی۔ یہ ادارہ ہر سال سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں نمایاں کارکردگی پر ایوب ایوارڈ دیا کرے گا۔ انہوں نے وائس چانسلر حضرات سے اپیل کی کہ یونیورسٹیوں میں امن وسکون کی فضا پیدا کی جائے تاکہ طلبا یکسوئی سے حصولِ تعلیم میں مصروف رہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہر تعلیمی شعبہ میں ڈگری کے حصول کے لئے لازمی شرط ہونی چاہیئے کہ امیدوار اسلام، احکام اسلام اور نظریۂ پاکستان سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خواتین وحضرات!

السّلام علیکم۔ ملک کے راہنمایانِ دانش کی اس تقریب میں شرکت سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں پاکستان کی یونیورسٹیوں کے مسائل کے بارے میں مجھے آپ سے خطاب کرنے کا موقع میسّر آیا تھا اس وقت ہم نے تقریباً انہی خطوط پر فیصلے کئے تھے جن کی آج نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ تعلیمی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ دیگر وجوہات سے ان فیصلوں پر عملدرآمد نہیں ہو سکا۔

مجھے علم ہے کہ یونیورسٹیاں ایک شدید بحران سے دوچار رہی ہیں۔ یہ امر اُن کے لئے باعثِ فخر ہے کہ اس کے باوجود وہ قائم ہیں، لیکن میں اس بات کو علم و دانش کی درس گاہوں کی ناکامی تصور کرتا ہوں کہ ایسے وقت میں جب جذبات ہوش پر غالب تھے، وہ ملک کو بیدار مغز قیادت مہیا کرنے سے قاصر رہیں۔ ہر قسم کے دباؤ، دشواریوں اور محرومیوں کے باوجود یونیورسٹیوں سے یہ کردار ادا کرنے کی جائز طور پر

توقع کی جاتی ہے۔ اگر ملک کی قیادتِ دانش قومی تعمیرِ نو اور ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے میں ناکام رہے تو میرے خیال میں معاشرہ کی اقدار اور مقاصد کو زندہ رکھنے کا کوئی دوسرا آسان متبادل ذریعہ نہیں ہوتا۔

میں صاف گوئی سے کام لے رہا ہوں۔ مجھے ہمیشہ انتظار رہا اور کئی بار میں نے یونیورسٹیوں سے خصوصی طور پر درخواست بھی کی کہ وہ ملک کو درپیش مسائل کا حل تجویز کریں۔ بدقسمتی سے مجھے مثبت جواب کم ہی ملا ہے۔ میں نے ہمیشہ امید رکھی کہ بلند مرتبہ کمیٹیوں پر ماہرینِ تعلیم اور دانشوروں کے تقرر سے مسائل کا قابلِ عمل اور قابلِ قبول حل مل سکے گا، لیکن اب تک یہ آرزو پوری نہیں ہوئی۔ ماضی کے مایوس کن تجربے کے باوجود مجھے اب بھی یقین ہے کہ ملک کو درپیش مسائل کا حل اور قوم کی راہِ نجات کی نشاندہی ان تعلیمی درسگاہوں سے ہی ہوگی۔

چنانچہ اس امید کے ساتھ میں ایک دفعہ پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یونیورسٹی ایکٹ میں جو ترامیم آپ نے تجویز کی ہیں، میری حکومت ان پر فوری طور پر توجہ دے گی۔ اس کے بعد یہ آپ کی ذمہ داری ہوگی کہ یونیورسٹیوں کی اس طرح تنظیم نو کریں کہ ہماری تعلیمی درسگاہیں ان اقدار کے تحفّظ اور اُن کی تبلیغ کا مؤثر ذریعہ بن سکیں جن کا پاکستان علمبردار ہے۔ اپنی قومی زندگی میں ہم ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں حالات کی بہتری کے لئے پُرخلوص کوشش اور مثبت اقدامات کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلبا تک میرا یہ پیغام پہنچائیں گے کہ اب محنت اور خلوص سے کام کرنے کا وقت ہے، یہی کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

یہ امر قابلِ اطمینان ہے کہ قومی تعلیمی پالیسی پر عملدرآمد کے لئے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن ایک عملی پروگرام وضع کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس پالیسی پر

عملدرآمد کے لئے جو عملی اقدامات تجویز کئے گئے ہیں اُن سے ہمارے تعلیمی نظام میں دُوررس تبدیلیاں رونما ہوں گی۔

اب میں چند خاص نکات کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں:-

وفاقی حکومت براہِ راست یونیورسٹیوں کو جو فنڈ مہیّا کر رہی ہے اس کو احتیاط اور سوچ سمجھ کر صرف کرنے کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر ہے۔ میری ہدایت پر حکومت نے یونیورسٹیوں کو خصوصی مراعات دی ہیں۔ اب یہ فرض یونیورسٹیوں کا ہے کہ اس فراخدلی کا پاس کرتے ہوئے اپنے پروگراموں کا مستقل جائزہ لیتی رہیں، اپنی کارگزاری بڑھائیں اور ایسے نئے پروگرام وضع کریں جو جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو کام میں لاتے ہوئے ملک کی تعمیروترقی میں براہِ راست مفید ومعاون ثابت ہوں۔ آپ کے چیئرمین کو ہدایت کی گئی ہے کہ اس بات کا اطمینان کرنے کے لئے تمام امکانی اقدامات کریں کہ یونیورسٹیوں کو ملنے والی گرانٹ موزوں طریقے سے مصرف میں لائی جائے اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے منظور شدہ بجٹ کے علاوہ کوئی اخراجات نہ کئے جائیں۔ دریں اثنا کمیشن آپ کے وضع کردہ پروگراموں کا تفصیلی جائزہ لے گا اور اگلے سال کے تخمینہ جات تیار کرے گا۔

آج آپ نے جو فیصلے کئے ہیں ان میں اساتذہ میں قیادت کی خوبی کا فروغ پروگرام کا بہت اہم حصّہ ہے۔ میں ان پروگراموں کی مکمل تائید کرتا ہوں اور ان کی تکمیل میں آپ کی کامیابی کا خواہاں ہوں۔ نیز میرا مشورہ ہے کہ اساتذہ اور طلبا کے لئے جلد از جلد ضابطۂ اخلاق تشکیل دے کر نافذ کیا جائے۔ اساتذہ کا یونیورسٹیوں تحقیقاتی اداروں اور حکومت کے محکموں میں باہمی تبادلہ بھی بہت ضروری ہے اور اس نظام

کو بلا تاخیر نافذ ہونا چاہیئے۔ یونیورسٹیوں میں بھی آپس میں تبادلے ہوتے رہنے چاہئیں اور مختلف علاقائی تنظیموں میں بھی۔

اساتذہ اور طلبا کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کے لئے جو پروگرام آپ نے مرتب کیا ہے اُس کا میں نے خاص طور پر جائزہ لیا ہے میں اس کی پُرزور تائید کرتا ہوں کہ ہر تعلیمی شعبے میں ڈگری کے حصول کی یہ لازمی شرط ہونی چاہیئے کہ امیدوار اسلام، اسلامی اصولوں اور نظریۂ پاکستان کا موزوں علم رکھتا ہو۔

میں وائس چانسلر صاحبان سے خصوصی درخواست کرتا ہوں کہ وہ طلبا کی فلاح و بہبود خصوصاً حفظانِ صحت، ہوسٹلوں میں بہتر خوراک اور کھیلوں کے لئے موزوں انتظامات کی طرف پوری توجہ دیں۔ اس اقدام سے طلبا غیر تعلیمی سرگرمیوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے تعمیری سرگرمیوں میں زیادہ مشغول رہیں گے۔

یونیورسٹیوں میں تحقیق کی تنظیم نو کا آپ کا منصوبہ بہت موزوں ہے۔ اسلام آباد میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا تحقیقی مرکز قائم کرنے کی تجویز بھی قابلِ تعریف ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے تجویز پیش کی تھی کہ اسلام آباد میں سابق صدر ایوّب کی موزوں یادگار قائم کی جانی چاہیئے۔ اس سلسلے میں آپ کے چیئرمین نے تجویز پیش کی ہے کہ مجوّزہ ادارے کا نام ایوّب انسٹی ٹیوٹ برائے سائنس و تکنیکی تحقیق رکھا جائے اور یہ ادارہ ہر سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں نمایاں کارکردگی پر ایوّب ایوارڈ دیا کرے۔ میں اس تجویز کو قبول کرتا ہوں اور مشورہ دیتا ہوں کہ اس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے کمیشن حکومت سے مزید گفت و شنید کرے۔ یونیورسٹی گرانٹس کے چیئرمین نے کہا ہے کہ ایوّب انسٹی ٹیوٹ اور اکادمی برائے اعلیٰ تعلیم کے لئے پچیس تیس ایکڑ کے قطعہ اراضی کی ضرورت ہے۔ میں اس کی بھی تائید

کرتا ہوں اور متعلقہ محکمے کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس کا جائزہ لے۔

آخر میں میری آپ سے درخواست ہے کہ راہنمایانِ دانش اور تعلیمی درس گاہوں کے سربراہان کی حیثیت سے یونیورسٹیوں میں امن وسکون کی فضا پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کریں تاکہ وہاں اساتذہ اور طلبا یکسوئی سے اعلیٰ تعلیم کے مقاصد کے حصول میں مشغول رہیں۔

پاکستان زندہ باد

قوم سے خطاب

۲۷ جولائی ۱۹۷۹ء

ماہِ رمضان کے مبارک موقع پر قوم کو مبارک باد پیش کرنے اور رزق حلال کی اہمیت بیان کرنے کے بعد صدرِ پاکستان نے ۸۰-۱۹۷۹ء کے بجٹ میں چند ترامیم کا اعلان کیا۔ اس بجٹ کی تجاویز پر اخبارات میں تنقید ہوئی تھی۔

صدرِ پاکستان نے بجٹ کی تیاری کا فلسفہ اور اِس بجٹ کے اقتصادی پس منظر اور محرکات کا تجزیہ کر کے بتایا کہ بنیادی طور پر بجٹ صحیح خطوط پر تیار کیا گیا ہے لیکن رائے عامہ کے احترام میں صدرِ پاکستان نے مٹی کے تیل اور خشک دودھ پر اضافی ٹیکس ختم کرنے اور چند دوسری مراعات کا اعلان کیا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں آمدن میں کمی کو پورا کرنے کے لئے غیر ترقیاتی اخراجات میں کمی کا اعلان کیا گیا۔ عوام کو بھی صدرِ پاکستان نے کفایت شعاری کی تلقین کی۔

رائے عامہ کے نمائندوں نے رائے عامہ کے اس احترام کا خیر مقدم کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ آپ سے مخاطب ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ اس دوران اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کئی واقعات رونما ہوئے ہیں جن کے متعلق میں آپ سے مفصّل اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں، لیکن آج میں نے اپنی تقریر کا بیشتر حصّہ بجٹ پر صَرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ باقی اہم موضوعات پر گفتگو انشاء اللہ عنقریب ہوگی۔

بجٹ پر بات کرنے سے پہلے میں رمضان المبارک کی آمد پر آپ سب کو مبارکباد دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس مہینے کو ہمارے لئے برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ بنائے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل کو اس مہینے کے شایانِ شان بنائیں۔ قرآنِ پاک میں روزے کی اہمیت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور ہم صحیح معنوں میں اُسی صورت میں مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں جب ہم اپنے قول و فعل اور ظاہر و باطن میں روزے کی روح کو اپنائیں۔ روزے سے صرف یہ مراد نہیں کہ ہم

مقررہ اوقات میں کھانے پینے یا تمباکو نوشی سے پرہیز کریں بلکہ روزے کی اصل روح کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر رزقِ حلال کمائیں۔ اس مقدس مہینے میں جو شخص ذخیرہ اندوزی، آمیزش، منافع خوری یا اس طرح کی دوسری سماج دشمن حرکتوں کا مرتکب ہوتا ہے وہ یقیناً حرام کا مال کھاتا ہے جس کا جواب اسے نہ صرف معاشرے کو بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دینا ہوگا۔

ماہِ صیام کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم ہر لحاظ سے اس کا احترام کریں۔ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے اس مبارک مہینے کا تقدّس مجروح ہوتا ہو۔ میں آپ سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس کے تقدّس اور احترام کا خاص خیال رکھیں گے۔ اس سلسلہ میں تمام صوبائی حکومتیں پہلے ہی ہدایت جاری کر چکی ہیں۔ اب آیئے بجٹ کی طرف۔

معزز خواتین وحضرات!

میں ماضی کی کوتاہیوں اور غلط اقتصادی پالیسیوں کی تفصیلات بیان کر کے آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا کیونکہ آپ پہلے ہی ان سے بخوبی واقف ہیں۔ صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ان کی وجہ سے ملک اقتصادی لحاظ سے بالکل کھوکھلا ہو کر رہ گیا تھا۔ زراعت اور صنعت کے شعبوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ اس عرصے میں ترقی تو درکنار، مجموعی طور پر نہ صرف صنعتی پیداوار بلکہ زرعی پیداوار میں بھی — جو ہماری معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے — کمی واقع ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں ۱۹۷۷ء کے وسط تک ہمارا ملک پہلے سے کہیں زیادہ غریب ہو چکا تھا اور غیر ملکی قرضوں کے بھاری بوجھ تلے دب چکا تھا۔

معاشی لحاظ سے کھوکھلے ملک کو صحت مند سطح پر لانے کے لئے ملکی پیداوار بڑھانے اور ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی ضرورت تھی جو ایک مشکل اور وقت طلب

طریقہ ہے۔

اِس سے سراسر اجتناب کیا گیا اور اس کی بجائے عوام کے جذبات سے کھیل کر اُن کو مستقبل کے سبز باغ دکھائے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں میں محنت و مشقت کی بجائے بدنظمی اور کام چوری کا رجحان پیدا کیا گیا۔

ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دوست ممالک کی فیاضی پر انحصار کیا گیا۔ بھلا اُن پالیسیوں کو کس طرح ملک و قوم کے لئے فائدہ مند قرار دیا جاسکتا ہے جن کی وجہ سے اِس آزاد مملکت کے غیوّر عوام دوسروں کے محتاج بن کر رہ گئے۔

معاشی حالت کو بگاڑنا تو آسان ہے لیکن اِس کو سنوارنا بہت مشکل اور طویل کام ہے۔ ہم نے گزشتہ دو سالوں میں مُلک کی ناگفتہ بہ معاشی حالت کو سُدھارنے کی مقدور بھر کوشش کی، اس کے تار تار کو اکٹھا کیا، غیر ملکی امداد اور قرضوں پر انحصار کم کرنے کے لئے ملکی وسائل کو ترقی دی، کسانوں، مزدوروں اور صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی کی اور ہر وہ اقدام کیا جو ہماری بیمار معیشت کو صحت یاب کرسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور عوام کے تعاون سے ہمیں کافی کامیابی بھی ہوئی ہے۔

گزشتہ دو سالوں میں ماضی کی روایت ٹوٹ گئی ہے اور بہتری کے آثار نمودار ہونے لگے ہیں۔ مثال کے طور پر صنعتی پیداوار میں ترقی ہوئی ہے اور کئی سالوں کے جمود کے بعد برآمدات میں اِس سال ۳۰ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، عوام کی محنت اور حکومت کی زرعی پالیسیوں کی وجہ سے چاول اور گندم کی فصلیں نہایت کامیاب رہیں اور دونوں فصلوں میں پیداوار کا نیا ریکارڈ قائم ہوا۔ یہ ایک اچھی ابتدا ہے لیکن اپنی معاشی منزل حاصل کرنے کے لئے ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ کئی برسوں کی تباہ کاریوں کا اثر زائل کرنے کے لئے طویل مدت تک

لگاتار محنت اور قربانی درکار ہے۔

ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ہم دو سال میں اگر صحت مند معیشت اگلی حکومت کو پیش نہیں کر سکتے تو کم از کم اسے ایسی حالت میں ضرور سونپ جائیں کہ اس کے مسائل ان مشکلات سے کم ہوں جو ہمیں ورثے میں ملی تھیں۔

موجودہ بجٹ بناتے وقت ہمارے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ قومی معیشت کو پچھلی ڈگر پر چلنے دیا جائے، بڑھتے ہوئے اخراجات کو مانگ تانگ کر پورا کیا جائے اور بدتر معیشت کو بدترین حالت میں اگلی حکومت پر تھوپ دیا جائے۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ ہم گرتی ہوئی حالت کو سنبھالا دیں، اپنے قومی وسائل پر زیادہ انحصار کریں، کمرِ ہمّت باندھیں اور اپنا بوجھ خود اٹھانے کی کوشش کریں اور یوں ایک باعزت اور باوقار قوم کی طرح زندہ رہنے کا آغاز کریں۔

ترقی پذیر ممالک کا بجٹ تیار کرنا ویسے بھی آسان نہیں، لیکن الیکشن کے سال میں یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اِن حقائق کی بنا پر بعض افراد نے مجھے مشورہ دیا کہ پہلا طریقۂ کار اختیار کیا جائے کیونکہ دوسرا طریقِ کار ہمیں غیر مقبول بنا دے گا۔ اسی طرح بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ موجودہ حکومت نے جب انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر دیا ہے تو اسے کیا پڑی ہے کہ لوگوں پر ٹیکس عائد کر کے ان کی نفرت اور تنقید کا ہدف بنے۔

انہوں نے کہا کہ جس طرح گاڑی ماضی میں چلتی رہی ہے، آئندہ چند مہینے بھی چلنے دیجئے، پھر نئی حکومت جانے اور قومی وسائل۔ میری حکومت یہ راستہ اختیار کر سکتی تھی، لیکن مجھے اِن باتوں میں بد دیانتی کی بُو آئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ لوگ صرف مجھے خوش کرنے کے لئے ملک کی معاشی بنیادیں تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

ایسا کرنا میرے لئے اخلاقی بددیانتی کی انتہا ہوتی۔ لہٰذا میں نے ان تجویزوں کو کوئی وقعت نہ دی اور عارضی مقبولیت حاصل کرنے کی بجائے دیرپا قومی مفاد کو مقدّم سمجھا۔

لیکن یہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے جس جذبے کے تحت یہ راستہ اختیار کیا، اُسے اسی جذبے میں قبول کرنے کی بجائے بعض حضرات نے اُسے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنا مناسب سمجھا۔ خاص طور پر وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا جو کہ سراسر بے انصافی ہے۔

بجٹ کی تیاری کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ سیاسی اور اقتصادی یا سیاسیات اور اقتصادیات کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ سیاسی راہنمائی کابینہ مہیّا کرتی ہے اور اِس کی مقرّر کردہ معاشی ترجیحات کے اندر رہ کر بجٹ تیار کرنا ماہرین کا کام ہے۔ موجودہ حکومت نے اپنی صوابدید کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ ملک کو دوسروں پر انحصار کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ترغیب دی جائے اور اِس مقصد کے لئے قوم سے اقتصادی قربانیاں مانگی جائیں۔ موجودہ بجٹ اِنہی ہدایات کی روشنی میں تیار کیا گیا تھا اس کی ذمہ داری کسی فردِ واحد پر عائد نہیں کی جا سکتی۔

بجٹ ایک اہم دستاویز ہوتی ہے جو گلیوں اور بازاروں میں تیار نہیں کی جاتی۔ یہ بڑی سنجیدگی اور متانت کا تقاضا کرتی ہے۔ اِس پر بحث ایک خاص اخلاقی سطح سے نیچے نہیں گرنی چاہیئے، لیکن جو انداز ہمارے ہاں اختیار کیا گیا ہے اس سے زیادہ تر تاثر یہ ملتا ہے کہ عموماً تنقید برائے تنقید کی گئی ہے۔ غالباً وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ تنقید میں پیچھے رہ گئے تو شاید آئندہ انتخابات میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

بنیادی طور پر بجٹ پر تنقید دو نکات پر مبنی ہے پہلا نکتہ یہ ہے کہ اس بجٹ سے عوام پر مالی بوجھ بڑھ گیا ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اِس میں عوام سے تو قربانیاں مانگی گئی

ہیں، لیکن مراعات یافتہ طبقے کو نہیں چھوا گیا۔

معزز خواتین وحضرات!

جہاں تک تنقید کے اس حصّے کا تعلق ہے کہ عوام پر مالی بوجھ بڑھ گیا ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ واقعی ملک میں مہنگائی ہے جس کی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ افراطِ زر کی بنا پر ساری دنیا میں ہی اشیائے ضرورت کی قیمتیں کئی سالوں سے بتدریج بڑھتی جارہی ہیں اور اِس کا اثر پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک پر زیادہ پڑا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ محنت اور نظم وضبط کے فقدان کی وجہ سے ہماری پیداوار میں اس تناسب سے اضافہ نہیں ہوا جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ تیسری وجہ راتوں رات امیر سے امیر تر بننے کا لالچ ہے جس سے منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

جہاں تک عالمی افراطِ زر کا تعلق ہے، اس پر ہمارا کوئی کنٹرول نہیں۔ جیسے باہر کی قیمتیں بڑھتی ہیں، اندرونِ ملک بھی قیمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر گزشتہ دو سالوں میں تیل کی قیمتیں تین بار بڑھ چکی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے بجٹ کا تقریباً ایک چوتھائی حصّہ صرف تیل کی درآمد پر خرچ ہوجاتا ہے جس کا تفصیلاً ذکر آگے کروں گا۔

البتّہ ہم پیداوار میں محنت سے اضافہ کر سکتے ہیں۔ جس طرح ہمارے کسان بھائیوں نے محنت اور لگن سے کام کر کے گندم اور چاول کی پیداوار بڑھائی ہے، اسی طرح اگر صنعتی مزدور اور کارخانہ دار بھی کام کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم صنعتی پیداوار میں بھی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکیں۔ رہ گئی بات راتوں رات امیر ہونے کی، تو اس سلسلے میں اگرچہ حکومت کے ذمّہ بھی چند فرائض ہیں، لیکن اِس کی زیادہ تر ذمہ داری

معاشرے پر عائد ہوتی ہے۔ اگر معاشرہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ منافع خوروں اور ذخیرہ اندوزوں کا احتساب نہ کیا جا سکے۔ اِس سلسلے میں بعض شہروں میں رضاکارانہ طور پر PRICE RESISTANCE COMMITTEES قائم کی گئی ہیں. جو اس ضمن میں ایک صحیح قدم ہے۔

میں تاجر برادری کے بعض حضرات کے جذبۂ ایمانی کی قدر کرتا ہوں، لیکن اکثر و بیشتر تاجروں سے مجھے ہی نہیں پوری قوم کو گلہ ہے۔ وہ خود ہی سوچیں کہ کیا وہ ہر سال بجٹ سے پہلے اور بجٹ کے بعد یا ماہِ صیام میں ذخیرہ اندوزی میں ملوّث نہیں ہوتے؟ اور قیمتوں میں ناجائز طور پر اضافہ نہیں کرتے؟ کیا یہ معاشرے کے خلاف ایک ناقابلِ معافی جرم نہیں؟ بجٹ پر یہ تنقید کہ اس میں مراعات یافتہ طبقے کو نہیں چھُوا گیا، لاعلمی پر مبنی ہے کیونکہ موجودہ بجٹ میں انکم ٹیکس اور بعض دوسرے ٹیکسوں کا بوجھ زیادہ تر اہلِ ثروت لوگوں پر ڈالا گیا ہے۔ یہ بجٹ تیار کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ معاشرے کے جس طبقے میں زیادہ سکت ہے اس پر زیادہ معاشی بوجھ ڈالا جائے۔ اس اصول کے مطابق نام نہاد مراعات یافتہ طبقہ نسبتاً زیادہ متاثر ہوا ہے۔

مجھے اِس بات کا احساس ہے کہ عوام، خاص طور پر تنخواہ دار طبقے کے لئے اپنے بال بچّوں کا پیٹ پالنا مشکل ہو گیا ہے۔ ان کا المیہ یہ ہے کہ مہنگائی بڑھنے سے جب دوسرے لوگ اپنی اشیا کی قیمت یا خدمات کی اُجرت بڑھاتے رہتے ہیں، نچلے اور درمیانہ طبقے کے تنخواہ دار لوگ مقررہ آمدنی پر گزارہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

یہ تو رہے ہمارے مسائل! لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اِن کا حل کیا ہے؟ کیا ان کا یہی حل ہے کہ اہلِ وطن پر کوئی ٹیکس نہ لگائے جائیں اور گدائی کا کشکول لے کر

ملک ملک پھرا جائے؟ کیا پاکستان کے غیور عوام یہ پسند کریں گے کہ ہر قیمت پر بیرونی امداد حاصل کرنے کے لئے ملکی وقار کی بازی لگائی جائے؟ کیا وہ چاہیں گے کہ اُن کی عزّتِ نفس کا سودا کر کے ان کو سستے داموں اشیائے ضرورت مہیّا کی جائیں۔ میں اِس قوم کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ کبھی روپے پیسے کی خاطر اپنی عزّت بیچنے کو تیار نہیں ہوئی۔ یہ کبھی اپنے قومی وقار کا سودا نہیں کرتی۔ یہ مسلمان قوم ہے جو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی حاکمیت قبول نہیں کرتی۔ اِس سلسلے میں آپ کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصے سے پاکستان پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ اپنے ایٹمی توانائی پروگرام پر ایسی ناجائز اور امتیازی بندشیں قبول کرلے جو ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ کے منافی ہوتی ہیں۔ ہم نے یقین دلایا ہے کہ ہمارے عزائم پُرامن ہیں اور پاکستان میں توانائی کے وسائل کی کمی کے پیشِ نظر پاکستان کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ وہ ایٹمی توانائی کی ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرے۔ اس کے باوجود ہماری اقتصادی امداد متاثر ہوئی، لیکن ہم نے یہ وار بھی سہہ لیا اور قوم نے حکومت کے اِس اقدام کا ساتھ دیا کیونکہ اس مسئلے پر قوم پوری طرح متحد ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اپنے نیک ارادوں پر قائم رہیں گے اور قومی مفاد کے منافی کوئی سودے بازی نہیں کریں گے۔ ہم اپنے دکھ خود سہہ لیں گے، ہم اپنا بوجھ خود اٹھا لیں گے، ہم روکھی سوکھی کھا لیں گے، لیکن قومی مفاد پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ میَں اِس موضوع پر تفصیل سے انشاء اللہ اپنی اگلی تقریر میں روشنی ڈالوں گا۔

جیسا کہ میں نے تھوڑی دیر پہلے کہا ہے، ہماری مالی مشکلات میں اضافے کی ایک بڑی وجہ بین الاقوامی مارکیٹ میں تیل کی قیمتوں میں لگاتار اور زبردست اضافہ ہے۔ ۷۳ - ۱۹۷۲ء کی قیمتوں کے حساب سے ہم تیل کی درآمد پر کُل ۶۶ کروڑ روپے

سالانہ خرچ کرتے تھے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ختم ہونے والے مالی سال کے دوران یہ رقم ۴۲۱ کروڑ روپے ہو گئی تھی۔ موجودہ مالی سال کے لئے مروجہ نرخوں پر تیل کی درآمد پر تقریباً ۹۳۵ کروڑ روپے خرچ ہوں گے جس میں مزید اضافے کا امکان ہے۔ ہم نے تیل سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے دو محاذوں پر کام شروع کیا ہے۔ ایک یہ کہ ملک میں تیل تلاش کرنے کی کوششوں کو تیز تر کر دیا جائے اور موجودہ معاشی مشکلات کے باوجود تیل کی تلاش کے اخراجات میں حسبِ ضرورت اضافہ کیا جائے۔ دوسرا محاذ توانائی یا انرجی ENERGY کے موجودہ وسائل میں کفایت شعاری کا ہے۔ وفاقی حکومت نے انرجی کو محفوظ کرنے اور اِس کے استعمال میں کفایت برتنے کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اکثر ترقی یافتہ ممالک بھی انرجی کی کفایت پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر مُلک کے لئے یہ اور بھی ضروری ہے۔ لٰہذا میں آپ سے اپیل کروں گا کہ آپ بجلی، تیل، پٹرول اور گیس کے استعمال میں رضاکارانہ طور پر بچت کریں۔

خواتین وحضرات!

میں نے اہلِ وطن کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بجٹ پر نظرِ ثانی کے لئے ملک کے چند ماہرین کو بُلایا اور ان میں سے سات ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس نے حکومت کو اپنی سفارشات پیش کیں۔ اِس کے علاوہ اخبارات اور اہلِ فکر اصحاب نے بڑی اچھی اور سودمند تجاویز پیش کیں۔ مَیں اس کمیٹی کے ممبران اور باقی تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اِن سفارشوں اور تجویزوں پر ہم نے کابینہ میں تفصیل سے غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ملک کے ذرائع اور ضروریات

کو ملحوظ رکھتے ہوئے بجٹ صحیح خطوط پر مرتّب کیا گیا ہے اور اس میں بنیادی تبدیلیوں کا کوئی جواز نہیں۔

ہماری اقتصادی حالت کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ اگرچہ پچھلے دو سالوں میں ہماری معیشت میں ترقی ہوئی ہے لیکن سالہا سال پرانے قرضوں کا بوجھ بتدریج بڑھتا جارہا ہے اور صرف اس سال سات سو (۷۰۰) کروڑ روپے واجب الادا ہیں۔ اسی طرح تیل کی درآمد کے اخراجات جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا، اس سال ۹۳۵ کروڑ روپے کے لگ بھگ ہیں۔ صرف اِن دو مدوں پر ۱۶۳۵ کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔ بتائیے، یہ رقم کہاں سے آئے گی؟ اِس خرچ کو پورا کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اس مقصد کے لئے مزید قرضوں کا بوجھ اپنے سر لیا جائے اور دُوسرا یہ کہ حسبِ استطاعت اپنے وسائل سے اضافی رقم ٹیکسوں کے ذریعے حاصل کی جائے۔ ہم نے اِس مسئلے پر جتنا بھی سوچ بچار کیا، اسی نتیجے پر پہنچے کہ ایک باعزّت قوم کی حیثیت سے، ہمارے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں، لیکن ٹیکسوں کا بوجھ ان طبقوں پر ڈالیں جو اِس کے متحمل ہو سکتے ہیں اور ٹیکسوں کی چھوٹ ان کو دی جائے جن کا تعلق تنخواہ دار طبقے اور عوام النّاس سے ہے۔ اِس سلسلے میں، مَیں نے اپنے رفقا سے مشورہ کرنے کے بعد جو فیصلے کئے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

۱۔ مٹّی کے تیل پر موجودہ بجٹ میں لگایا گیا ٹیکس واپس لیا جاتا ہے۔

۲۔ خشک دودھ پر حال ہی میں لگائی گئی ڈیوٹی ختم کر دی گئی ہے۔

۳۔ قدرتی گیس کے نرخوں میں اس بجٹ میں جو اضافہ کیا گیا ہے اُس کا اطلاق نجی صارفین DOMESTIC CONSUMER پر نہیں ہوگا۔

۴۔ ہر خاندان کا ایک مکان جس میں وہ خود رہائش پذیر ہو، ویلتھ ٹیکس سے

مستثنیٰ ہوگا۔ اس کی تفصیلات کا اعلان علیٰحدہ طور پر کیا جائے گا۔

۵۔ ۱۵۰۰/- روپے ماہوار یا اِس سے کم تنخواہ پانے والے سرکاری ملازمین کو چالیس روپے ماہوار کے حساب سے مہنگائی الاؤنس دیا جائیگا۔ اس کا اطلاق یکم اگست ۱۹۷۹ء کو ملنے والی تنخواہ سے ہوگا۔ یعنی یہ رقم آپ کو یکم اگست کو وصول ہونے والی تنخواہ کے ساتھ ملے گی۔ اِس کے علاوہ حال ہی میں نچلے درجے کے جن ملازمین کے لئے کرایہ مکان اور آمد و رفت کے الاؤنس میں جو اضافہ کیا گیا ہے، وہ بھی برقرار رہے گا۔ اس طرح شہروں میں کام کرنے والے سرکاری ملازمین کو کم از کم اسّی (۸۰) روپے ماہوار اور زیادہ سے زیادہ دوسو پینتالیس (۲۴۵) روپے ماہوار کا فائدہ ہوگا۔ مثلاً گریڈ نمبر ۱ کے ملازمین کو اسّی روپے، گریڈ نمبر ۵ کے ملازم کو چوراسی روپے، گریڈ نمبر ۱۰ کے ملازم کو چھیانوے روپے اور گریڈ نمبر ۱۶ کے ملازم کو ایک سو اٹھارہ روپے ماہوار زیادہ ملیں گے۔ مہنگائی الاؤنس سمیت یہ تمام مراعات مسلّح افواج کے ارکان کو بھی حاصل ہوں گی۔

۶۔ اِن مراعات کا اعلان کرتے وقت محنت کش طبقہ بھی میرے پیشِ نظر ہے۔ ان کی بہبود کے اقدامات لیبر کمیشن کی رپورٹ کا حصّہ ہیں۔ یہ رپورٹ متعلقہ وزارت کو مل چکی ہے۔ میں نے ہدایت کی ہے کہ وہ اس پر غور و خوض کے بعد اپنی سفارشات جلد حکومت کو پیش کریں تاکہ اُن پر فیصلہ کیا جا سکے۔

۷۔ پنشنر حضرات کی حالت بھی توجّہ طلب ہے۔ مہنگائی کی وجہ سے ان کے اخراجات بڑھتے جاتے ہیں جبکہ آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اُن کی پنشنوں

پر نظرِ ثانی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جا رہی ہے جو دو مہینوں کے اندر اندر حکومت کو اپنی سفارشات پیش کرے گی۔ بجٹ پر نظرِ ثانی کا دوسرا حصّہ سرکاری اخراجات میں کمی اور کفایت شعاری سے متعلق ہے۔ اِس شعبے میں بچت کے لئے جن اقدامات کا فیصلہ کیا گیا ہے، وہ یہ ہیں:۔

۱۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے ترقیاتی فنڈ میں اسّی کروڑ روپے کی کمی کر دی گئی ہے۔

۲۔ اِسی طرح غیر ترقیاتی بجٹ میں، جس میں دفاع بھی شامل ہے، پچپن کروڑ روپے کی کمی کی گئی ہے۔ ان دونوں شعبوں میں جو کمی کی گئی ہے ان پر عملدرآمد کرانے کے لئے وفاقی سطح پر ایک وزارتی کمیٹی تشکیل دی جا رہی ہے۔ اِسی طرح صوبائی حکومتیں بھی اسی مقصد کے لئے کمیٹیاں قائم کریں گی۔

۳۔ سرکاری محکموں میں نئی اسامیوں کی منظوری نہیں دی جائے گی۔

۴۔ وفاقی اور صوبائی حکومتیں اپنی انتظامی مشینری کے موجودہ ڈھانچے پر نظرِ ثانی کریں گی تاکہ اُن کے اخراجات میں کمی کی جا سکے۔

۵۔ بیرونی ممالک میں تمام سفارت خانوں کا جائزہ لیا جائے گا اور اُن ملکوں میں سفارت خانے یا مشن بند کر دیئے جائیں گے جن کے سفارت خانے پاکستان میں نہیں ہیں اور باقی ماندہ سفارت خانوں کے اخراجات گھٹا دیئے جائیں گے۔ اس کے متعلق سفارشات ۳۱ اگست تک کابینہ میں پیش کی جائیں گی۔

۶۔ غیر ممالک کے سرکاری دورے کم کر دیئے جائیں گے اور جہاں سرکاری

دورہ ناگزیر ہوا، وہاں وفد کے ارکان کی تعداد کم سے کم رکھی جائے گی۔

۷۔ آئندہ سرکاری خرچ پر ۱۶۰۰ سی سی سے بڑی کوئی گاڑی درآمد نہیں کی جائے گی۔ یہاں میں یہ واضح کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ موجودہ درآمدی پالیسی کے تحت ہر قسم کے سامانِ تعیّش کی درآمد پر پابندی ہے جس میں کاریں، ایئرکنڈیشنرز، رنگین ٹیلیوژن وغیرہ شامل ہیں۔ یہ چیزیں صرف بیگیج سکیم BAGGAGE SCHEME یا گفٹ سکیم کے تحت آسکتی ہیں۔

۸۔ سرکاری تقریبات میں سادگی کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اعلیٰ سرکاری افسر ذاتی طور پر اِس کی مثال قائم کریں گے اور وہ اُن نجی تقریبات میں بھی شرکت نہیں کریں گے جو سادگی کے اصول کے منافی ہوں۔ اِن تمام اقدامات کا اطلاق کارپوریشنوں اور نیم سرکاری اداروں پر بھی ہوگا۔

۹۔ سرکاری اداروں کو یہ احکامات جاری کرنے کے ساتھ ساتھ میں تمام اہلِ وطن سے بھی توقع رکھتا ہوں کہ وہ :۔

(ا) اپنے اخراجات میں کمی کریں گے۔

(ب) سادگی کو اپنائیں گے۔

(ج) شادی بیاہ کے موقعوں پر بے جا اصراف سے پرہیز کریں گے اور ہر لحاظ سے بچت کی عادت ڈالیں گے۔

بچت کی ایک اہم صورت یہ بھی ہے کہ روزمرّہ استعمال کی چیزوں مثلاً چائے، گھی، چینی وغیرہ کے نجی خرچ میں کمی کی جائے۔ میں یہ بات دوبارہ آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ افراطِ زر ابھی تک زوروں پر ہے اور حکومت اسے کنٹرول کرنے کی پوری

کوشش کر رہی ہے، لیکن اشیائے ضرورت کی قیمتوں کو اس وقت تک اعتدال ممکن نہیں جب تک تین اقدام نہ کئے جائیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں یعنی :۔

۱۔ صارفین اپنی ضروریات میں کمی کریں۔

۲۔ تاجر حضرات جائز منافع پر اکتفا کریں۔

۳۔ پوری قوم پیداوار بڑھانے اور بچت کی عادت اپنانے پر توجّہ دے۔

میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ حکومت سنجیدگی سے ایک سکیم پر غور کر رہی ہے جس کے تحت نجی شعبے میں ملک بھر میں کوآپریٹو سٹور کھولے جائیں گے جہاں سے نچلے طبقے اور کم آمدنی والے عام شہری سستے داموں اشیائے ضرورت خرید سکیں گے۔ اس طرح کے رعایتی سٹور آج کل چند شہروں میں صرف سرکاری ملازموں کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ یہی سہولت ذرا بہتر اور وسیع پیمانے پر عام شہریوں کو بھی مہیا کی جائے۔

معزز خواتین وحضرات !

قوموں پر مشکل وقت آتے رہتے ہیں۔ زندہ اور آزاد قومیں اسے چیلنج سمجھ کر قبول کرتی ہیں اور اپنی مشکلات پر قابو پانے کے لئے کمرِ ہمّت باندھ لیتی ہیں۔ ہماری مشکل کوئی ایسی مشکل نہیں کہ ہم اِس کو حل نہ کر سکیں۔ ہم اس سے بھی بڑے بڑے امتحانوں میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اسی قوم نے آزادی کا خواب دیکھا تو سات سال کے قلیل عرصے میں غلامی کی زنجیریں توڑ پھینکیں۔ اِسے میدانِ جنگ میں للکارا گیا تو یہ وہاں بھی سینہ سپر ہو گئی۔ اِس نے نظامِ اسلام کے لئے میدانِ عمل میں قدم رکھا تو منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہو گئی۔ یہ بڑی صلاحیتوں اور بڑی امنگوں کی قوم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ موجودہ اقتصادی چیلنج کو بھی پورے

اعتماد اور عزم سے قبول کرنے کا عہد کرے گی اور دنیا کو دکھا دے گی کہ ہم خود تکلیفیں سہہ لیں گے، لیکن اپنے قومی وقار پر دھبہ نہیں آنے دیں گے۔

رمضان شریف کے مبارک مہینے میں کیا گیا یہ عہد انشاءاللہ ضرور پورا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور رسولِ پاکؐ کی برکتیں ہماری حامی وناصر ہوں گی۔ آمین !

پاکستان پائندہ باد

گندم کی تحقیق اور پیداوار کے سیمینار سے خطاب

۶ اگست ۱۹۷۹ء

اسلام آباد میں "گندم کی تحقیق اور پیداوار" کے موضوع پر ایک چار روزہ سیمینار زرعی تحقیقاتی کونسل کے زیرِ اہتمام منعقد ہوا۔ اِس سیمینار میں تین سو ماہرین شامل تھے جن میں عالمی شہرت یافتہ زرعی ماہر ڈاکٹر نارمن بورلاگ بھی شامل تھے۔ اِس سیمینار کی افتتاحی تقریب کے موقع پر وزیر زراعت ریئر ایڈمرل محمد فاضل جنجوعہ نے اپنے سپاسنامے میں کہا کہ حکومت کے اقدامات اور کسانوں اور ماہرین زراعت کی مشترکہ کوششوں سے اِس سال گندم کی ۹٫۹۹ ملین ٹن کی ریکارڈ پیداوار حاصل ہوئی ہے۔ زرعی تحقیقاتی کونسل کے چیرمین ڈاکٹر امیر محمد خان نے اپنی کلیدی تقریر میں فی ایکٹر زیادہ پیداوار حاصل کرنے پر زور دیا۔ ڈاکٹر نارمن بورلاگ نے ماہرین اور کاشتکاروں کو شاندار کارکردگی پر خراج تحسین پیش کیا۔

صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاءالحق نے اپنے افتتاحی خطاب میں خوراک میں مستقل خودکفالت پر زور دیا۔ انہوں نے مربوط منصوبہ بندی کی اہمیت واضح کی اور گندم کے علاوہ چاول، گنے، کپاس اور خوردنی اجناس پر بھی توجہ دینے کی تلقین کی۔ انہوں نے سائنسدانوں سے پُرخلوص اپیل کی کہ زمین کو غارت کرنے والی سیم اور تھور کی بیماری کا بھی علاج دریافت کریں۔ انہوں نے کہا کہ غیور اقوام بنیادی ضرورتوں کے لئے دوسروں کی دستِ نگر نہیں ہوا کرتیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

جناب وزیر خوراک وزراعت، ریئر ایڈمرل محمد فاضل جنجوعہ صاحب،
پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل کے چیئرمین، ڈاکٹر امیر محمد صاحب،
غیر ملکی مہمانانِ گرامی،
معزز ماہرینِ سائنس
اور
خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ ریئر ایڈمرل محمد فاضل جنجوعہ صاحب کے استقبالیہ کلمات، ڈاکٹر امیر محمد صاحب کی فاضلانہ تقریر اور پھر ڈاکٹر بورلاگ کے مختصر لیکن تفصیلی جائزے کے بعد اب صرف رسمی کلمات کی گنجائش ہی رہ گئی ہے لیکن میرے پاس رسمی کلمات کے علاوہ بھی چند باتیں ہیں اور کچھ سفارشات بھی ہیں لیکن ان کے ذکر سے قبل میں ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

۱۹۷۷ء میں، میں چین گیا تو وہاں ان کے وائس پریمیئر ونگ شوپنگ سے ملاقات کے دوران کئی باتوں پر گفتگو ہوئی۔ انہوں نے سب سے پہلے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے ہاں آبادی میں اضافہ کی کیا رفتار ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ پہلے آپ بتائیے کہ چین میں آبادی میں اضافے کی کیا شرح ہے؟ انہوں نے چند سیکنڈ سوچنے کے بعد کہا کہ ہماری آبادی بڑھنے کی شرح ۱ء۹ فیصد کے قریب ہے۔ جس وقت میں نے دل ہی دل میں ان کے ۱ء۹ فیصد کے ساتھ اپنی ۳ء۴ فیصد کا مقابلہ کیا تو میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں یہ کس طرح ان کو بتاؤں۔ بہرحال میں نے ان کو بتایا۔ پھر انہوں نے دوسری چیز مجھ سے یہ پوچھی کہ آپ نے خوراک کے مسئلہ کو کہاں تک حل کر لیا ہے۔ میں نے اُن کو بتایا کہ ایک وقت تھا کہ ہمارے پاس جو علاقے ہیں وہ پورے برصغیر میں اناج کا ذخیرہ کہلاتے تھے، لیکن آج کل سوائے باتوں اور سیاست کے ہم نے شاید گندم بونا چھوڑ دی ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ سنا ہے کہ آپ کے یہاں چاول بہت ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں بہت ہوتا ہے۔ انہوں نے پوچھا اس کا کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ باہر بھیجتے ہیں۔ انہوں نے کہا پھر ٹھیک ہے، آپ زیادہ چاول اُگا کر اس کے بدلے گندم خریدیئے۔ میں نے کہا کہ جناب ایک ایسے علاقے میں جہاں گندم کی فصل اگائی جا سکتی ہے اور جہاں پیداوار میں اضافے کے امکانات بہت کافی ہوں اور جو ہمارے ملک کے باشندوں کی اصل خوراک بھی ہے، اس کو باہر سے منگوانا اور کسی دوسری فصل پر انحصار کرنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر آپ جدید سائنسی اور اپنے روایتی طریقے کو ملا کر محنت کریں تو مجھے پوری امید ہے کہ پاکستان نہ صرف خوراک کے معاملہ میں خود کفیل ہو سکتا ہے بلکہ آپ دوسرے ملکوں کو غلّہ برآمد بھی کر سکتے ہیں۔

پچھلے سال سیمینار میں تقریباً اتنے ہی خواتین و حضرات موجود تھے، لیکن ہم سب

غمگین بیٹھے تھے کہ آئندہ سال کیا ہوگا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تقاریر کے بعد آپس میں جب کچھ باتیں شروع ہوئیں تو زمیندار سائنسداں کے گلے اور سائنسداں زمیندار کے گلے کر رہے تھے آپس میں اتنی شکایات تھیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آیا واقعی فصل کم ہوئی ہے یا ڈاکٹر بھٹی صاحب کا تجزیہ ٹھیک ہے کہ فصل کو زنگ RUST کی بیماری لگ گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک سال کے بعد آج میں ماشاء اللہ ہشاش بشاش چہرے دیکھ رہا ہوں جن پر اطمینان کے آثار نظر آ رہے ہیں اور حوصلہ افزا نتائج کی امید ہے۔ اس کا سہرا کسی ایک شخص یا ایک طبقے کے سر نہیں بلکہ یہ سب کی مجموعی کوششوں کا نتیجہ ہے، جس میں کسان اور دوسرے کام کرنے والے EXTENSION WORKERS سبھی شامل ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پچھلے سال ہمارے سامنے جو مسئلہ تھا وہ اگلی فصل کے لئے عمدہ بیج مہیا کرنا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر بورلاگ صاحب نے ہماری بہت مدد کی تھی جس کے لئے میں اُن کا اپنی طرف سے، قوم کی طرف سے، سائنسدانوں کی طرف سے اور کسانوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس سیمینار کا افتتاح جس میں ملکی اور غیر ملکی سائنسداں شرکت کر رہے ہیں میرے لئے بڑی خوشی اور عزت کا باعث ہے۔ اس سیمینار کا موضوع پاکستان کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے اور میں ذاتی طور پر اس میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ میں اس سیمینار میں غیر ملکی مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ ان کی موجودگی اس کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ ڈاکٹر بورلاگ کی تشریف آوری خاص طور پر ہمارے لئے باعثِ مسرت ہے۔ پچھلی مرتبہ جب وہ پاکستان تشریف لائے تھے تو میری ان سے بڑی مفید گفتگو ہوئی تھی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ ان کے علم اور تجربے

سے ہمیں بہت فائدہ پہنچا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کے مشوروں سے پاکستان اب بھی انشاء اللہ مستفید ہو گا۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہمارے یہاں ۷۸ - ۱۹۷۷ء میں گندم کی پیداوار توقعات سے بہت کم ہوئی تھی جس کی وجہ سے ساری قوم کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ میں نے اس معاملے میں ذاتی طور پر دلچسپی بھی لی اور پیداوار میں کمی کی چھان بین بھی کرائی۔ اس مسئلے پر کابینہ کی سطح پر بھی غور و خوض کیا گیا اور یہ بات سامنے آئی کہ پیداوار میں کمی کی بڑی وجہ زنگ RUST کے مرض کا پھیلاؤ تھا جس کا بروقت سدباب نہیں کیا گیا تھا۔ اس بیماری کے علاوہ چند اور امور بھی ایسے تھے جو گندم کی پیداوار میں کمی کا باعث بنے۔ حکومت نے تمام معاملات کا جائزہ لیا اور متعلقہ محکموں کو ہدایت کی کہ وہ ایک مربوط مہم کے ذریعے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر سابقہ خامیوں کو دور کریں اور آئندہ سال بہتر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ میں نے اس سلسلے میں جن لوگوں سے خاص طور پر تعاون کی درخواست کی تھی ان میں ماہرینِ زراعت، ماہرینِ منصوبہ بندی، زرعی سائنسداں اور کاشتکار شامل ہیں۔ میں ان سب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ہدایت کو پوری اہمیت دی اور گندم کی موجودہ فصل کو بہتر بنانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی موافق موسمی حالات سے ان کی کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشا اور ۷۹ - ۱۹۷۸ء کے دوران جیسا کہ ابھی آپ نے سنا ہے، ہم ۹۵ لاکھ ٹن کے لگ بھگ کے ہدف سے بھی زیادہ گندم پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس کامیابی پر میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے لئے اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان تمام کاشتکاروں، سائنسدانوں اور زرعی ماہرین کو مبارک باد دیتا ہوں جن کی توجہ، محنت اور مناسب حکمتِ عملی سے حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ اس فصل کی کامیابی

یقیناً ہمیں گندم کے سلسلے میں خود کفالت کی منزل کے بہت قریب لے آئی ہے اور مجھے امید ہے کہ اگر اسی طرح ہماری کوششیں بار آور ہوتی رہیں تو وہ دن دُور نہیں جب ہم خوراک کے معاملے میں دوسروں کے محتاج نہیں رہیں گے۔

معزز حاضرین! گندم کی ایک کامیاب فصل پیدا کرنے سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی بجائے سنجیدگی سے اپنے مسائل کا جائزہ لیں اور ان کا بے لاگ تجزیہ کریں۔ اسی طرح جو نتائج سامنے آئیں ان کی روشنی میں ایسے اقدام کریں جو ہمیں مستقل طور پر کامیابی سے ہمکنار کر سکیں۔ اس سلسلے میں یہ سیمینار ایک یادگار کردار ادا کر سکتا ہے کیونکہ اس میں شعبۂ زراعت کے متعلق تمام لوگ، خاص طور پر زرعی تحقیق کے ماہرین شرکت کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ پاکستان میں فصل کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار موسمی حالات پر بھی ہوتا ہے جن پر ہمارا کوئی کنٹرول نہیں، لیکن دیکھا جائے تو موسم کے تغیّر و تبدل کے علاوہ بھی بہت سے عناصر ایسے ہیں جو گندم کی پیداوار کو متاثر کرتے ہیں۔ میں ان عناصر کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ آپ نے ابھی ڈاکٹر امیر محمد صاحب سے اس کا تفصیلی جائزہ سنا ہے۔ میں اس موقع پر صرف یہی تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ماہرین کو ایک کامیاب فصل کے بعد مطمئن ہو کر بیٹھنے کی بجائے بدستور چوکنّا رہنا ہوگا تاکہ فصل کو نقصان دہ اثرات سے بچانے کے لئے حفاظتی اقدام کئے جا سکیں۔ دوسرے لفظوں میں پیداوار کا جو معیار ہم نے اس سال قائم کیا ہے اسے نہ صرف برقرار رکھنا ہوگا بلکہ حتی الامکان اسے آگے بھی بڑھانا ہوگا۔ اگر ہم نے پوری لگن سے اپنی مہم جاری رکھی اور موسم نے ساتھ دیا تو مجھے قوی امید ہے کہ ہم مستقبل قریب میں نہ صرف اپنی ضرورت کی گندم پیدا کر سکیں گے بلکہ کسی حد تک دوسروں کی ضرورت بھی پوری کرنے

کے اہل ہو جائیں گے۔

یہ قومی سیمینار اگرچہ گندم کی تحقیق اور پیداوار کے متعلق ہے تاہم میں مجموعی طور پر زراعت کی دوسری اجناس کی طرف بھی آپ کی توجہّ مبذول کرانا چاہتا ہوں کیونکہ گندم کی پیداوار کوئی الگ تھلگ منصوبہ نہیں جس پر عمل کر کے ہم مطمئن ہو جائیں۔ یہ ہماری مجموعی زرعی پالیسی کا ایک حصّہ ہے اور ہم اپنے زرعی عزائم میں اس صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ہم گندم سمیت تمام فصلوں پر پوری پوری توجہ دیں اور انہیں کامیاب بنائیں۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں گندم اور چاول کی فصل اچھی ہوئی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بات باعثِ تشویش بھی ہے کہ بعض اہم فصلیں مثلاً کپاس، گنّا اور روغنی اجناس کی پیداوار غیر تسلی بخش رہی۔ یہ فصلیں بھی ہمارے ماہرین کی توجہ کی مستحق ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ فصلوں کی پیداوار بڑھانے کے لئے مناسب منصوبہ بندی اور جامع حکمتِ عملی کی ضرورت ہے تاکہ ہم ایک جنس کی پیداوار بڑھانے کے جنون میں دوسری جنس کو نظر انداز نہ کریں۔ ہماری نجات فصلوں کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے میں ہے۔ معروف فصلوں کے ساتھ ساتھ زراعت سے متعلق دوسرے شعبوں میں تحقیق اور ترقی کی منصوبہ بندی پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً درختوں سے پھل، کھیتوں سے سبزی، مویشیوں سے دودھ اور درختوں سے لکڑی حاصل کرنے کے ذرائع بھی ہماری توجہّ چاہتے ہیں۔ ان شعبوں میں ترقی سے نہ صرف چھوٹے کسانوں کو فائدہ پہنچے گا بلکہ مجموعی طور پر ملک بھی مستفید ہو گا۔ اس مقصد کے لئے ہمیں اپنی منصوبہ بندی میں تمام زرعی، معاشرتی اور اقتصادی عوامل کو پیشِ نظر رکھنا ہو گا اور سائنسدانوں کو ایسی ٹیکنالوجی وضع کرنی ہو گی جو ہمارے ملک اور معاشرے کی تمام ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ لہٰذا میں سائنسدانوں، خاص طور پر زرعی تحقیق کے ماہرین سے توقع کروں گا کہ وہ جس ٹیکنالوجی

کو بھی اپنانے کی سفارش کریں اس میں ملک کے معاشی اور اقتصادی حالات کو مدِ نظر رکھیں۔

معزز حاضرین! زراعت بالخصوص خوردنی اجناس کا ذکر کرتے ہوئے میں ایک ایسے مسئلے کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جو اپنی جگہ اتنا خطرناک اور بھیانک ہے کہ اگر اس پر بروقت قابو نہ پایا گیا تو زرعی میدان میں ہماری تمام کوششیں بے اثر ہو کر رہ جائیں گی۔ اس کا ذکر ڈاکٹر بورلاگ نے بھی کیا ہے۔ میری مراد سیم اور تھور جیسے موذی مرض سے ہے جو ہماری زرخیز زمین کو بڑی سرعت کے ساتھ بے کار بنا رہا ہے۔ خاص طور پر صوبہ پنجاب اور صوبہ سندھ ہیں۔ سونا اگلنے والی زمین بڑی تیزی سے ان امراض کا شکار ہو رہی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس سیمینار میں سیم اور تھور کے ماہرین موجود ہیں یا نہیں، لیکن میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس سیمینار کے نتائج صحیح معنوں میں پاکستان کے لئے بھی مفید ثابت ہوں گے، جب ہم سیم اور تھور کو بھی کنٹرول کر سکیں ورنہ صورتِ حال یہ ہو گی کہ ہم زرعی تحقیق سے فی ایکڑ زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور قابلِ کاشت ایکڑ روز بروز کم ہوتے جائیں گے۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی ہے کہ حال ہی میں ہمارے زرعی انجینیروں نے اس کا ایک حل تلاش کیا ہے جو ابھی تحقیقی اور تجرباتی سطح پر ہے۔ مجھے ان کی کوششوں کے نتائج کا انتظار رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے سائنسداں جلد از جلد ملک کو اس موذی مرض سے نجات دلانے کا کوئی مؤثر اور قابلِ عمل طریقہ دریافت کریں۔

زرخیز زمین کو سیم اور تھور سے بچانے کے ساتھ ساتھ ریگستانی اور بنجر زمین کو بھی قابلِ کاشت بنانے کی ضرورت ہے۔ زمانۂ قدیم میں ہمارے زمیندار اور کاشت کار اس بات پر مجبور تھے کہ صرف قابلِ کاشت زمین پر ہی توجہ دیں اور بنجر اور ریتلی

زمین کو قدرت کی طرف سے رد کردہ ٹکڑے سمجھ کر نظر انداز کر دیں، لیکن آج صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔ آج ہمارے سائنسدانوں سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ناقابلِ کاشت زمین کو بھی قابلِ کاشت بنانے میں زمینداروں کی رہنمائی کریں گے اور انہیں بتائیں گے کہ وہ اس قسم کی زمین سے کس قسم کی فصل منافع بخش طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسی زمینوں کے وسیع قطعات موجود ہیں جو سائنسدانوں اور زرعی تحقیق کے ماہرین کی توجہ کے منتظر ہیں۔ ان قطعات کو یقیناً ملک و قوم کے فائدے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ زمین کی حالت بہتر بنانے سے لیکر کیڑے مارنے کی دواؤں کی ایجاد تک جن اعلیٰ تربیت یافتہ افراد کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمارے یہاں بہت کم ہیں اور کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل سے جس نے کئی اہم شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، میں توقع کروں گا کہ وہ اس مسئلے کا بھی تفصیلی جائزہ لے گی اور مختلف شعبوں میں مختلف ماہرین کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ضروری اقدامات کرے گی۔ میں نے پہلے ہی کونسل کو خود مختار حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دے رکھی ہے تا کہ اسے اپنے مقاصد حاصل کرنے میں غیر ضروری رکاوٹوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تربیت یافتہ افرادی قوت تیار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے ہاں جو ماہرین موجود ہیں انہیں کام کرنے کے لئے سازگار ماحول مہیا کیا جائے تا کہ نہ صرف وہ خود اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر سکیں بلکہ انہیں دیکھ کر بیرونِ ملک کام کرنے والے ماہرین بھی اپنے ملک میں کام کرنے کی کشش محسوس کریں۔ مجھے امید ہے کہ تحقیقاتی کونسل اور وزارتِ زراعت و خوراک اس طرف خصوصی توجہ دیں گی۔

میں اپنے ان چند مختصر کلمات کو ختم کرنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے

پاس سائنسداں موجود ہیں، اہلِ علم حضرات موجود ہیں، محنت کش کسان موجود ہیں۔ اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نتائج بھی نہایت حوصلہ افزا رہے ہیں۔ اب اس محنت کو اسی رفتار سے جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ روزی پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ذہن بھی عطا کیا ہے تاکہ ہم اپنے فائدے اور نقصان کے متعلق خود سوچیں۔ اگر حالات ایسے ہی رہے تو ۲۰۰۰ء میں پاکستان کی آبادی ۱۴۰ ملین کے قریب ہوگی۔ اگر فصل میں اس تناسب سے اضافہ نہیں ہوگا تو اُس وقت پاکستان میں خوراک کی حالت کیا ہوگی، یہ آپ خود سوچ سکتے ہیں۔ ہم سب پڑھے لکھے اور سمجھ دار آدمی ہیں۔ پاکستان کی بقا کے لئے یہ ازحد ضروری ہے کہ ہم فصل اتنی پیدا کریں جتنی ہمیں نہ صرف ابھی ضرورت ہے بلکہ جتنے کی ہمیں آئندہ ضرورت پڑے گی، بلکہ اس سے بھی زیادہ تاکہ ہم اپنے پڑوسیوں اور دوسرے بھائیوں کو بھی غلّہ مہیّا کر سکیں۔

اس سلسلے میں جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے، ہمارے کاشتکار بھائی ہمارے سائنسداں اور خاص طور پر ہمارے دو صوبے، صوبہ پنجاب اور صوبہ سندھ تعریف کے مستحق ہیں کیونکہ اس وقت پاکستان میں اجناس، خاص طور پر گندم اور چاول ان ہی دونوں صوبوں میں زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ میں آپ کو یہ بتانے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ اس سال ہم نے صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے لئے کچھ ہدف مقرر کیا تھا۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ دونوں صوبوں نے اپنا اپنا ہدف پورا کر لیا ہے۔ صوبہ بلوچستان نے نہ صرف اپنا ہدف پورا کیا ہے بلکہ اس سے زیادہ فصل حاصل کی ہے۔ اگر یہ کوشش جاری رہی تو مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ ہم غلّہ میں نہ صرف خود کفیل ہو جائیں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ غلّہ پیدا کر سکیں گے۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ قومیں اپنی مدد آپ کرنے سے بنتی ہیں، اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہونے سے بنتی ہیں اور موجود رہتی ہیں۔ جو قومیں دوسروں پر انحصار کرتی ہیں وہ کبھی زندہ نہیں رہتیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ جس ملک میں جفاکش زمیندار موجود ہوں، محنتی کسان موجود ہوں، محبِ وطن سائنسداں موجود ہوں، وہ اپنی کوششوں سے اس ملک کو کم از کم خوراک کے معاملے میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے میں مدد دیں گے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس ملک کو اللہ تعالیٰ نے زمین عطا کی ہو، پانی عنایت کیا ہو، محنتی انسان عنایت کئے ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتقاد اور یقین رکھتے ہوں، انہیں دوسرے ممالک پر اعتماد اور انحصار کرنا پڑے۔ اس ماہِ رمضان میں ہم اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لائیں گے تاکہ ہمارا ملک غلّے کے معاملے میں خودکفیل ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ قوم کی توقعات پر پورا اتریں گے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

صوبائی منصوبہ بندی اور ترقیاتی بورڈ کے سیمینار کے اجلاس سے خطاب

۲۸ اگست ۱۹۷۹ء

ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل، لاہور میں "منصوبہ بندی اور ترقی کی حکمت عملی" کے موضوع پر سیمینار منعقد ہوا۔ سیمینار کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاالحق نے کہا کہ اسلام کا اقتصادی نظام ہمارے لئے بہترین رہنمائی مہیا کرتا ہے اور اِس کا مقصد ایسے معاشرے کا قیام ہے جو افلاس، استحصال اور تعصبات سے پاک ہو۔ انہوں نے پاکستان کے مختلف پنجسالہ ترقیاتی منصوبوں کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اب ہماری حکمتِ عملی یہ ہے کہ مربوط اور مؤثر معاشی منصوبہ بندی کی جائے تاکہ ملک میں ترقی کی رفتار تیز کی جا سکے اور اِس کے فوائد معاشرے کے تمام طبقوں تک پہنچیں۔ انہوں نے کہا کہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے بڑھتے ہوئے فرق کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اقوام عالم کے باہمی اقتصادی تعلقات کو از سرِ نو مرتب کیا جائے تاکہ دنیا میں متوازن ترقی ممکن ہو سکے۔

تقریب کے اختتام پر پنجاب گورنمنٹ کے چیف ایڈوائزر ڈاکٹر محمد عارف نے اپنی کتاب "ECONOMIC OF GROWTH AND BASIC NEEDS IN PAKISTAN" کا ایک نسخہ صدرِ پاکستان کی خدمت میں پیش کیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

گورنر پنجاب، جنرل سوار خان،
صوبائی منصوبہ بندی اور ترقیاتی بورڈ کے چیئرمین، سعید احمد قریشی صاحب،
مندوبینِ کرام
اور
خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ میں اس مجلسِ مذاکرہ میں شرکت اپنے لئے عزّت اور مسرّت کا باعث سمجھتا ہوں۔ میں حکومتِ پنجاب کے منصوبہ بندی اور ترقیاتی بورڈ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس سیمینار کی افتتاحی تقریب میں مدعو کر کے آپ سے مخاطب ہونے کا موقع دیا۔ میں ان ماہرینِ معاشیات کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو بورڈ کی دعوت پر ہمارے معاشی مسائل پر غور و فکر کے لئے یہاں تشریف لائے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے معاشی تجزیے سے ہماری ترقیاتی حکمتِ عملی کے لئے نئی راہیں

پیدا ہوں گی ۔ یہ سیمینار منعقد کرنے میں اقوامِ متحدہ کے ترقیاتی ادارے نے جس تعاون کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی ہمارے لئے باعثِ تشکّر ہے ۔

معاشی مسائل پر غور و فکر کے لئے ضروری ہے کہ ہم پاکستان میں منصوبہ بندی کے سابقہ تجربوں کا بے لاگ تجزیہ کریں ، ان کے مفید نکات کو اپنائیں اور ان کی خامیوں سے سبق سیکھیں ، لیکن اس سے بھی کہیں اہم بات یہ ہے کہ ہم معاشی منصوبہ بندی کی حکمتِ عملی پر غور کرتے وقت اپنے بنیادی نظریۂ حیات کو پیشِ نظر رکھیں ۔ ہمارا بنیادی نظریۂ حیات اسلامی نظریۂ حیات ہے جس کا عام فہم الفاظ میں مطلب ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جو افلاس ، استحصال اور تعصبات سے پاک ہو ۔ ایسے معاشرے کے قیام کے لئے روحانی اور اخلاقی اقدار ہمارے سامنے ہیں ۔ ہمارا فرض ہے کہ جب ہم اپنے ملک کے لئے سماجی ، اقتصادی اور معاشی پالیسیاں وضع کریں تو ان اقدار کو راہنما اصولوں کے طور پر اپنائیں ۔ یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام کی روحانی اور اخلاقی اقدار مادّی ترقی اور خوشحالی کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں بلکہ وہ مادّی ترقی کو ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے تابع بنا کر اسے عبادت کا درجہ دیتی ہیں ۔

معاشی ترقی سے متعلق مسائل اتنے اہم اور ہمہ گیر ہیں کہ ان پر سوچ بچار صرف پالیسی مرتب کرنے والوں کا ہی کام نہیں بلکہ اس میں ملک کے تمام طبقوں خاص طور پر تعلیمی حلقوں اور اقتصادی ماہرین کو شامل ہونا چاہیئے ۔ مجھے امید ہے کہ اس سیمینار میں اس ضرورت کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہوگا اور آئندہ تین چار دِنوں میں جن لوگوں کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی ہے ان میں مختلف مکاتیبِ فکر کے لوگ بھی شامل ہوں گے ۔

آپ میں سے اکثر حضرات کو یاد ہوگا کہ قیامِ پاکستان کے بعد کولمبو پلان کے تحت ایک چھ سالہ ترقیاتی منصوبہ شروع کیا گیا اور باقاعدہ پنج سالہ منصوبے کا آغاز ۱۹۵۵ء میں ہوا۔ اگرچہ بعض اوقات ان منصوبوں کی اہمیت کم بھی ہوتی رہی مگر اپنی جگہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس سارے عرصے میں قومی منصوبہ بندی کی افادیت کو تسلیم کیا گیا اور اس روایت کو قائم رکھنے کی ہمیشہ ضرورت محسوس کی گئی۔

آج تک پاکستان میں جتنے ترقیاتی منصوبے بنائے گئے وہ اپنے اپنے دور کے سماجی اور معاشی مسائل کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے قومی رجحانات کی عکاسی بھی کرتے تھے، مثلاً پہلے منصوبے میں معاشی ترقی کے ان پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی جو آمدنی کی تقسیم کے متعلق تھے۔ اس کے برعکس ۱۹۶۰ء میں دوسرے پنج سالہ منصوبے نے ترقیٔ محض کا تصور اجاگر کیا اور اس بات پر زور دیا کہ معیشت کی مجموعی ترقی کی رفتار کو تیز تر کیا جائے۔ اس وقت عام خیال یہ تھا کہ اگر تیز رفتار ترقی کا سلسلہ جاری رہا تو اس کے فوائد غریبوں تک خود بخود پہنچنے لگیں گے، لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا اور پچھلے عشرے کے آخر میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ تیز رفتار ترقی کا یہ مطلب نہیں کہ معاشرے سے غربت خود بخود ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ترقیاتی حکمتِ عملی میں شروع ہی سے آمدنی کی مناسب تقسیم کا اہتمام بھی کیا جائے ورنہ بعد میں اس سے سماجی اور معاشی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ احساس آج بھی جاری ہے اور پاکستان کے گزشتہ دو منصوبے اسی نظریے پر مبنی تھے۔

اب پاکستان کے لئے مسئلہ یہ نہیں کہ ہم ترقیٔ محض کو اوّلیت دیں یا آمدنی کی تقسیم کو، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ان مقاصد کو کس طرح مربوط کر کے ایک مؤثر معاشی حکمتِ عملی

وضع کریں تاکہ ملک میں ترقی کی رفتار بھی تیز کی جا سکے اور اس ترقی کے فوائد معاشرے کے تمام طبقوں تک پہنچ بھی سکیں۔

معزز خواتین و حضرات!

موجودہ حکومت نے ملک کی معاشی ترقی کے لئے جو حکمتِ عملی اختیار کی ہے اس میں سرکاری اور نجی شعبے کے لئے اپنا اپنا کردار ادا کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ملک کو جس معاشی چیلنج کا سامنا ہے اس کا مقابلہ کرنا علیحدہ علیحدہ طور پر سرکاری شعبے کے لئے ممکن ہے نہ نجی شعبے کے لئے۔ لہٰذا موجودہ حکومت نے گزشتہ دو سالوں میں جہاں سرکاری شعبوں میں ترقی پر زور دیا ہے وہاں نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کے لئے بھی اہم اقدامات کئے ہیں جن کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے اور ہم معاشی تنزّل کے رجحان کو روکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مجھے تسلیم ہے کہ معاشی بحران سے نکلنے کے لئے پاکستان کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے لیکن معاشی بدحالی کے رجحان کو روکنا بھی کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ مجھے امید ہے کہ موجودہ پالیسیوں سے ملک کی معاشی حالت پر صحت مند اثرات مرتب ہوں گے۔

جہاں تک معاشی ترقی کے اثرات عوام تک پہنچانے کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کا دیا ہوا اقتصادی نظام ہمارے لئے بہترین مشعلِ راہ ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں جہاں جائز طریقے سے نجی شعبے کو ترقی کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، وہاں معاشرے کے ہر فرد پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنی دولت اور خوشحالی میں معاشرے کے غریب اور محتاج افراد کو بھی شامل کرے۔ اس کے لئے زکوٰۃ، عُشر، خیرات اور صدقات کے طریقے معروف ہیں۔ ہم نے

حال ہی میں انہی اصولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ اور عشر کا نظام وضع کیا ہے جو معاشیات کے جدید تقاضوں پر پُورا اُترتا ہے۔ اس نظام پر خلوصِ دل سے عمل کرنے سے دولت چند ہاتھوں یا خاندانوں میں جمع ہونے کی بجائے معاشرے کے ان طبقوں تک بھی پہنچنا شروع ہو جائے گی جو معاشی لحاظ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

جس طرح ایک ملک کے اندر مختلف طبقوں کے درمیان ایک عادلانہ معاشی نظام قائم کرنا اور امیر و غریب کی تفریق کو کم کرنا ضروری ہے، اسی طرح بین الاقوامی سطح پر بھی یہ لازم ہے کہ ترقی یافتہ اور پسماندہ ممالک کے درمیان ایک عادلانہ معاشی نظام قائم کیا جائے تاکہ پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک ترقی یافتہ ممالک کے معاشی غلبے سے نجات حاصل کر سکیں۔ اگر ہم اس کرۂ زمین کو انسانی برادری کے لئے ایک آرام دہ اور خوشحال گھرانا بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں دنیا کو مختلف معاشی حلقوں میں تقسیم کرنے کی بجائے ایک ہی خاندان سمجھنا ہوگا تاکہ اس خاندان کے ایک فرد کی ترقی سے سارا خاندان مستفید ہو سکے۔ اس سلسلے میں اگر ترقی یافتہ ممالک اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں تو انہیں پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کی راہ میں روڑے اٹکانے کی بجائے انہیں ہر طرح کی امداد مہیّا کرنی ہوگی۔ یہ امداد سرمائے اور اشیاء کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور ٹیکنالوجی اور جدید معلومات کی صورت میں بھی۔

ایسی ہی ایک ٹیکنالوجی ایٹمی توانائی ہے جس پر مفصّل اظہارِ خیال کا یہ موقع نہیں، لیکن اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس دنیا میں بسنے والوں میں تمام انسان خواہ وہ جنوب میں رہتے ہوں یا شمال میں، خواہ ان کا تعلق مشرقی ممالک سے ہو یا مغربی ممالک سے، یہ بنیادی حق رکھتے ہیں کہ وہ اپنی معاشی ترقی

کے لئے جدید ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ پاکستان ترقی کے جس دور سے گزر رہا ہے اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ اپنی توانائی کے روایتی ذرائع ختم ہونے سے پہلے پہلے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرلے ورنہ اس کی ترقی کی رفتار بُری طرح متاثر ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے پُرامن مقاصد کے لئے ایٹمی توانائی حاصل کرنے کا تہیّہ کر رکھا ہے اور انشاء اللہ ہم تمام تر دشواریوں کے باوجود یہ توانائی ضرور حاصل کریں گے۔

آج دنیا میں تقریباً ۸۰ کروڑ انسان جن کی اکثریت جنوبی ایشیا میں واقع ہے جس کا پاکستان ایک حصہ ہے، انسانی زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ ان کی ضروریات پوری کرنے کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی جارہی اور ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں اقوامِ متحدہ کی مقرر کردہ ایک کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ۱۹۷۵ء میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں فی کس آمدنی کے درمیان بارہ اور ایک کا تناسب تھا جو روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ اس کمیٹی کے خیال میں ترقی پذیر ملکوں میں ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قومی آمدنی کا ۳۰ یا ۳۵ فیصد بلکہ بعض ممالک ۴۰ فیصد تک سرمایہ کاری کے لئے مخصوص کریں جو ایک مشکل کام ہے کیونکہ ان ملکوں کے لئے ایک طویل عرصے تک سرمایہ کاری کے لئے اتنی رقم مخصوص کرنا ممکن نہیں کیونکہ ان کے سر پر بیرونی قرضوں اور بیرونی ادائیگیوں کا بھاری بوجھ ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کی کوششوں میں سیاسی یا سماجی نہیں بلکہ مالی مشکلات حائل ہیں جن پر قابو پانا ان کے لئے بہت مشکل ہے۔

ان ملکوں کی محدود قومی آمدنی اور غربت کی وجہ سے بچت اور سرمایہ کاری کے امکانات زیادہ روشن نہیں اور بیرونی محاذ پر انکی مشکلات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورتِ حال کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اقوامِ عالم کے باہمی اقتصادی تعلقات کو از سرِ نو متعین کیا جائے تاکہ ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی رفتار کو تیز تر کر کے اُن کی غربت کی طویل رات کو جلد ختم کیا جا سکے۔

یہ مسائل یقیناً اپنی جگہ بہت اہم اور بنی نوعِ انسان کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہیں۔ دنیا بھر کے اقتصادی ماہرین اور پالیسی وضع کرنے والوں کے لئے یہ موقع ہے کہ وہ اپنا تاریخ ساز کردار ادا کریں اور ان کا حل تلاش کریں۔ مجھے امید ہے کہ یہ سیمینار ان مسائل کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لینے اور ان کا تسلی بخش حل تلاش کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

آخر میں، میں اس مذاکرے کا بندوبست کرنے والوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کی افتتاحی تقریب میں مدعو کر کے آپ سے ملاقات کا موقع فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو کامیاب فرمائے۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

قوم سے خطاب

۳۰ اگست ۱۹۷۹ء

صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاالحق نے اپنے خطاب میں قومی مسائل کا بھرپور تجزیہ کیا۔ انہوں نے خارجہ تعلقات، ملکی سیاست، غیر وابستہ تحریک میں پاکستان کی شمولیت اور ایٹمی توانائی کے پروگرام پر تفصیلاً اظہارِ خیال کیا۔ انہوں نے پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء میں اہم ترامیم اور بلدیاتی اداروں کے انتخابات کی تاریخوں کا بھی اعلان کیا۔

پولٹیکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء میں چار ترامیم کا اعلان کیا جن کی رُو سے ہر سیاسی جماعت کی الیکشن کمیشن کے پاس رجسٹریشن، پارٹیز کے اندرونی انتخابات اور پارٹی فنڈ کا حساب کتاب لازمی قرار دیا گیا اور نظریۂ پاکستان، امنِ عامہ، عدلیہ اور افواجِ پاکستان کے خلاف پروپیگنڈے کو ممنوع ٹھہرایا گیا۔

بلدیاتی انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر ماہِ ستمبر میں کرانے کا اعلان کیا گیا جنہیں صدرِ پاکستان نے اسلامی نظامِ سیاست و جمہوریت کی طرف پہلا قدم قرار دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ میں نے اپنی گزشتہ تقریر میں عرض کیا تھا کہ اہم قومی مسائل کے بارے میں عنقریب آپ سے مخاطب ہوں گا۔ اسی سلسلے میں آج مَیں آپ کو چند اہم مسائل کے بارے میں اعتماد میں لینا چاہتا ہوں۔ اِن مسائل میں کچھ کا تعلق خارجہ امور سے ہے اور کچھ کا ملکی سیاست سے۔

خارجہ تعلقات کے جن پہلوؤں کے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، اُن میں افغانستان سے تعلّقات، غیرِ جانب دار ممالک کی تحریک میں پاکستان کی شمولیت اور ایٹمی توانائی کے پروگرام پر بین الاقوامی ردِّعمل شامل ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ گزشتہ دو سالوں میں تمام بڑی طاقتوں کے ساتھ ہمارے تعلقات معمول کے مطابق رہے ہیں، لیکن پڑوسی اور اسلامی ممالک کے ساتھ دوستی اور خیرسگالی کی فضا پہلے سے عموماً بہتر رہی ہے۔ البتّہ افغانستان میں رونما ہونے والی

تبدیلی سے ہماری مشکلات میں اضافہ ہوا ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے سال افغانستان میں جو تبدیلی آئی ہم نے اسے افغانستان کا اندرونی معاملہ قرار دیتے ہوئے براہِ راست یا بالواسطہ طور پر اُس کی مشکلات سے فائدہ اٹھانے کی ہرگز کوشش نہ کی، بلکہ پاکستان اسلامی دنیا میں پہلا ملک تھا جس نے وہاں کی حکومت کو تسلیم کیا اور کابل کے نئے حکمرانوں کو پاکستان کی دوستی اور نیک خواہشات کا یقین دلایا۔ اس سلسلے میں مَیں نے خود پہل کی اور کسی تکلّف کے بغیر، ذاتی طور پر کابل جاکر صدر نور محمّد ترہ کئ اور ان کی حکومت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور صدرِ افغانستان کو پاکستان آنے کی دعوت دی جو ابھی تک قائم ہے۔

اپنی دوستی اور نیک خواہشات کے طور پر پاکستان نے چند عملی ثبوت بھی دیئے جن سے حکومتِ افغانستان بخوبی واقف ہے۔ ہم اب بھی دوستی اور خیرسگالی کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ پاکستانی عوام اپنے افغان بھائیوں کی بہبود، ترقی اور کامیابی کے خواہاں ہیں۔ ہم نے بارہا کہا ہے کہ ہمارا افغانستان کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتّہ حکومتِ افغانستان اگر کسی بات کو اختلافی مسئلہ سمجھتی ہے تو اُسے بات چیت کے ذریعے طے کیا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ افغانستان کے حالات کا براہِ راست اثر پاکستان پر پڑ رہا ہے اور اب تک افغانستان کے تقریباً ایک لاکھ ستّر ہزار کے قریب مہاجرین پاکستان میں داخل ہوچکے ہیں۔ کیا یہ سوچنے کی بات نہیں کہ وہ کون سے حالات ہیں جنہوں نے مہاجرین کو اپنے گھر بار چھوڑ کر، اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کی جانیں بچانے کی خاطر ایک ہمسایہ ملک میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا ہے؟ ان مہاجرین میں سے اکثر و بیشتر قبائلی علاقے، صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں اپنے پٹھان اور بلوچی بھائیوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔

مہاجرین کو پناہ دینا ایک انسانی اور اسلامی فرض ہے جس سے دنیا کی کوئی بھی مہذّب قوم چشم پوشی نہیں کر سکتی۔ ہم انسانی ہمدردی اور جذبۂ اسلامی کی بنیاد پر ان کو رہائش اور خوراک کی چند بنیادی سہولتیں مہیا کر رہے ہیں۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ پاکستان پر اُنہیں فوجی تربیت دینے کے بے بنیاد اور من گھڑت الزامات لگائے جا رہے ہیں، جن کی تردید حکومتِ پاکستان ایک سے زائد مرتبہ کر چکی ہے۔

حکومتِ افغانستان کو چاہیئے کہ جلد از جلد اپنے ملک میں ایسے حالات پیدا کرے جس سے تمام افغان مہاجرین اپنے اپنے گھروں کو عزّت اور سلامتی کے ساتھ واپس لوٹ سکیں۔ اگر افغان حکمراں پاکستان کے ساتھ دوستی اور امن چاہتے ہیں تو الزام تراشی اور محاذ آرائی کی پالیسی کو ترک کر کے، ٹھنڈے دل سے بات چیت میں حصّہ لیں۔ اس کام میں وہ پاکستان کو پیچھے نہیں پائیں گے۔

اس سلسلے میں آپ کو یاد ہو گا کہ چند روز پہلے ہمارے امورِ خارجہ کے مشیر کابل جانے والے تھے، لیکن مجھے افسوس ہے کہ اُن کی روانگی سے چند روز پہلے ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ انہیں یہ دورہ ملتوی کرنا پڑا جس کی ذمّہ داری پاکستان پر عائد نہیں ہوتی۔ پاکستان اب بھی افغانستان کے ساتھ دوستی چاہتا ہے اور اسے فروغ دینے کا خواہاں ہے، لیکن مہاجرین کے ساتھ سلوک میں کوئی اصولی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

خارجہ تعلقات کا ایک اہم پہلو غیر جانب دار ممالک کی تحریک میں پاکستان کی شمولیت ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پاکستان ایک عرصے سے اس تحریک میں شامل ہونے کا خواہش مند تھا لیکن سینٹو CENTO میں شرکت کی وجہ سے بعض حلقوں میں اسے ہمیشہ ایک بلاک سے وابستہ سمجھا جاتا رہا۔ ہم نے سینٹو میں اپنی موجودگی اور اس کے فوائد و نقصانات کا جائزہ لیا اور اپنے برادر ممالک ترکی اور ایران سے مشورہ

کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ موجودہ حالات میں یہ معاہدہ اپنی افادیت کھو چکا ہے اور اس کا ممبر رہنا پاکستان کے وسیع تر قومی مفاد میں نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے سینٹو CENTO سے علیحدہ ہونے اور غیر جانب دار تحریک میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔

پچھلے سال ہمیں غیر جانب دار ممالک کی کانفرنس میں مبصّر کی حیثیت سے دعوت دی گئی اور امید ہے کہ ہوانا میں موجودہ غیر جانب دار کانفرنس میں پاکستان کو باقاعدہ ممبر بنا لیا جائے گا۔

اس کانفرنس میں شمولیت کا دعوت نامہ مجھے جناب فیڈل کاسترو نے، جو کانفرنس کے میزبان ہیں، ایک خصوصی وزیر کے ہاتھ چند دن ہوئے بھیجا تھا۔ میں اِس مہمان نوازی کے لئے ان کا شکر گزار ہوں۔

اِس کانفرنس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نئے ممبروں کو شامل کرنے کے بعد اِس تحریک کے کُل ارکان کی تعداد نوّے سے تجاوز کر جائے گی جن میں تقریباً تمام اسلامی ممالک بھی شامل ہیں۔ اِس کی اہمیّت کے پیشِ نظر میں نے پاکستانی وفد کی قیادت خود کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہماری اس شمولیّت سے پاکستان کو وہ مقام حاصل ہو گا جس سے ہم سالہا سال کی کوششوں کے باوجود ماضی میں محروم رہے۔

اگلا اہم مسئلہ ایٹمی توانائی کا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے عوام کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کے لئے جدید ٹیکنالوجی حاصل کریں۔ اگر دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آج تک کوئی ٹیکنالوجی کسی ایک ملک یا چند حلقوں تک محدود نہیں

رہی - ہر قوم نے ہمیشہ ہر نئی ٹیکنالوجی کو اپنی ہمّت و بساط کے مطابق اپنانے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ غربت و افلاس کو پیچھے چھوڑ کر ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ یہی حال ایٹمی توانائی کا ہے۔ اِس وقت دنیا میں تقریباً پچاس ممالک ایٹمی بجلی پیدا کرنے اور ایٹمی ریسرچ میں مصروف ہیں اور درجنوں دوسرے ممالک اس طریقے کو اپنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

پاکستان میں توانائی کے استعمال کی موجودہ شرح دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں بجلی کی سالانہ کھپت دنیا کے اوسط خرچ کا دسواں حصّہ اور ایشیائی ممالک کے اوسط خرچ کا صرف ایک تہائی حصّہ ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنا بھی پاکستان کے لئے مشکل ہو رہا ہے کیونکہ پاکستان میں توانائی کے مقامی وسائل کی بہت کمی ہے اور ہمارے بجلی پیدا کرنے کے ذرائع بھی بہت محدود ہیں۔ ہمارے لئے اس وقت بجلی پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ پن بجلی ہے جس سے عملی طور پر پوری طرح استفادہ بھی کیا جائے تو اِس صدی کے آخر تک ہماری ضروریات کا صرف ایک تہائی حصّہ پورا ہوگا۔ ہمارے گیس کے وسائل بھی محدود ہیں اور وہ بمشکل ہمارے گھریلو استعمال، کیمیائی کھاد اور دیگر صنعتوں کے لئے کافی ہوں گے۔ کوئلہ ویسے ہی کم ہے جو توانائی کا خلا ہرگز پُر نہیں کر سکتا۔

ہمیں غیر ممالک سے کثیر مقدار میں تیل درآمد کرنا پڑتا ہے جس کی قیمتوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر چھ سات سال پہلے تیل کی درآمد پر صرف ساٹھ ستّر کروڑ روپے سالانہ صرف ہوتے تھے، لیکن جیسا کہ میں نے پچھلی مرتبہ عرض کیا تھا آج اس مد پر تقریباً ۹۳۵ کروڑ روپے خرچ کرنے پڑ رہے ہیں جو ہمارے

سالانہ زرِ مبادلہ کی آمدنی کا چالیس فیصد ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک تیل کی درآمد پر اپنے زرِ مبادلہ کی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ دس فیصد خرچ کرتے ہیں۔ اِن حالات میں ہمارے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم توانائی کے حصول کے لئے جدید ترین ٹیکنالوجی اپنائیں تاکہ ہم اپنے غریب اور پسماندہ عوام کی حالت کو بہتر بنا سکیں۔

معاشیات کے مغربی ماہرین نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مستقبل قریب میں ایٹمی توانائی کے بغیر صنعتی اور معاشی ترقی ممکن ہی نہیں ہو گی۔ پاکستان جدید ترقی کی راہ پر گامزن ہونا چاہتا ہے۔ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک تو ہے، لیکن غریبی اس کا مقدّر نہیں۔ پاکستان کے غیور عوام یہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غریب سے غریب تر ہوتے جائیں جبکہ دنیا ترقی کی نئی نئی منزلیں طے کرتی رہے۔

پاکستان واحد ملک نہیں جو ایٹمی ٹیکنالوجی کے لئے کوشاں ہے۔ تیسری دنیا کے اکثر ممالک اس ٹیکنالوجی سے محروم ہیں۔ کیا حق و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ چند ملکوں کی اجارہ داری برقرار رکھنے کی خاطر تیسری دنیا کو اس ٹیکنالوجی سے محروم رکھا جائے؟ کیا انسانی حقوق یہی کہتے ہیں کہ ترقی پذیر ممالک دوسروں کے محتاج رہیں؟ کیا سب آزاد و خود مختار ممالک کا یہ بنیادی حق نہیں کہ وہ بھی اپنے تاریک مقدّر کو اس توانائی سے روشن کر سکیں؟ دنیا کا کونسا مذہب، کونسا معاشرہ، کونسا قانون اور کونسا اصول کہتا ہے کہ اس کرۂ ارض کے چند باسی تو نت نئی آسائشوں سے بہرہ اندوز ہوتے جائیں اور تیسری دنیا کے درجنوں ممالک اور کروڑوں انسان بنیادی ضرورتوں سے محروم، پسماندگی کی چکّی میں پستے رہیں؟

پاکستان کا ایٹمی ریسرچ پروگرام پُرامن مقاصد کے لئے ہے جسے حاصل کرنے

کے لئے ہم نے فرانس کے ساتھ ایک ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ خریدنے کا معاہدہ کیا تھا۔ یہ معاہدہ نہ تو اچانک کیا گیا اور نہ ہی خفیہ طور پر۔ اس کے لئے کئی سال بین الاقوامی سطح پر تفصیلی مذاکرات ہوتے رہے جس سے دنیا کے تمام ممالک اور بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی پوری طرح واقف ہیں۔

اِن مذاکرات کے دوران پاکستان نے اپنے اوپر وہ تمام پابندیاں بخوشی قبول کیں جن کو بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی نے ضروری سمجھا۔ میں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ہم اضافی پابندیاں قبول کرنے کو بھی تیار ہیں بشرطیکہ ان کا اطلاق بلا امتیاز دوسرے ممالک پر بھی ہو۔ ہم یہ پیش کش اس لئے کر رہے ہیں کیونکہ ہم اس ٹیکنالوجی کو معاشی ترقی کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری یقین دہانی کے باوجود اُن وجوہات پر، جن کا میں یہاں ذکر نہیں کرنا چاہتا، فرانس جیسا آزاد، خود مختار اور پُر وقار ملک غالباً دوسروں کے کہنے میں آکر ایک مقدّس بین الاقوامی معاہدے سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ ہمارا قانونی اور اخلاقی حق ہے کہ فرانس سے اس معاہدے پر عمل کرنے کے لئے اصرار کریں۔ بہرحال اوروں کا رویہ خواہ کچھ بھی ہو، پاکستان انشاء اللہ ضرور یہ پلانٹ حاصل کرلے گا۔

اسی سلسلے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے راستے میں ایک سوچے سمجھے منصوبے اور بین الاقوامی طور پر منظم طریقے سے مشکلات پیدا کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ نے ہماری معاشی امداد بند کر دی ہے اور مغربی ذرائع ابلاغ نے بڑے زور و شور سے پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا مہم جاری کر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے بعض برادر اور دوست ممالک پر بہتان لگائے گئے ہیں، یہاں تک کہ اس خیالی بم کو اسلام کے مقدّس

نام کے ساتھ بھی منسلک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ پاکستان کے خلاف بعض ممالک کو جارحیت پر بھی اکسایا گیا ہے اور ہمارے ریسرچ پروگرام کو تباہ کرنے کے لئے ناپاک منصوبوں کو ہوا دی جارہی ہے۔

اگر کوئی ملک یہ سمجھتا ہے کہ اس رویّے سے پاکستان مرعوب ہو جائے گا تو اس نے پاکستانی قوم اور اس کے جذبۂ خودداری کو غلط سمجھا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ یہ قوم دوسروں کی بالادستی قبول کرنے کی بجائے عزّت کی موت کو ترجیح دیتی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم عزّت کی خاطر مرنا جانتی ہے وہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ یہ ایک عظیم اور باہمّت قوم ہے۔ اس کی نگاہیں دوُر رس ہیں۔ اس کے عزائم نیک اور اس کی ہمّتیں جواں ہیں۔ یہ مشکلیں سہنا اور حالات کا مقابلہ کرنا جانتی ہے۔ اِسے دبانے کے تمام حربوں نے اس کے عزائم کو مضبوط تر کر دیا ہے۔ پاکستانی قوم سمجھتی ہے کہ معاشی ترقی کے لئے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرنا اس کا بنیادی حق ہے جس سے نہ تو کوئی بیرونی طاقت اسے محروم رکھ سکتی ہے اور نہ پاکستان کی کوئی حکومت اس سے دستبردار ہو سکتی ہے۔

ہمیں ماضی کے تلخ تجربوں سے بھی سبق سیکھنا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ تو بھارت نے کیا، لیکن اس کی سزا پاکستان کو ملی اور کینیڈا نے کراچی کے ایٹمی بجلی گھر کے لئے اضافی پُرزوں اور ایٹمی ایندھن کی برآمد اچانک روک دی تھی جواب تک بند ہے۔ جب تک ایک قوم خود کفالت کی منزل تک نہیں پہنچ جاتی، اسے ایسی دشواریاں پیش آتی ہی رہیں گی۔

جہاں تک ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکنے کا تعلق ہے، پاکستان اس میدان میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ اس نے بارہا اقوامِ متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی

اداروں میں اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ہم ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کے خلاف ہیں۔ ہم کئی سالوں سے کہہ رہے ہیں کہ بحرِ ہند اور جنوبی ایشیا کے علاقوں کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک علاقہ قرار دے دیا جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ ہندوستان کے وزیراعظم نے شاید دوسرے ممالک کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنی آزادی کی حالیہ سالگرہ کے موقع پر یہ اعلان کیا کہ ان حالات میں ہندوستان کو اپنی ایٹمی پالیسی پر نظرثانی کرنی پڑے گی۔ ہندوستان کے وزیراعظم نے اس خدشے کا بھی اظہار کیا کہ پاکستان کے نام نہاد بم کا نشانہ صرف ہندوستان ہی ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے شکوک و شبہات بالکل بے بنیاد ہیں اور ان پر یقین کرنے کا فائدہ ہندوستان یا پاکستان کو نہیں بلکہ صرف اُن ممالک کو ملے گا جو جان بوجھ کر یہ شکوک پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس ضمن میں مَیں نے حال ہی میں ہندوستان کے وزیرِ اعظم اور امریکہ کے صدر کو ایک ایک ذاتی خط بھی لکھا ہے۔

اِس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک بار پھر اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا ایٹمی پروگرام پُرامن ہے۔ اپنی معاشی ترقی کے لئے یہ ٹیکنالوجی حاصل کرنا ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے، لیکن اس ٹیکنالوجی کو استعمال کر کے ہم ایٹمی ہتھیار بنانے یا حاصل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

خواتین و حضرات!

اب آیئے سیاست کی طرف! سیاست میں آج کل زیرِ بحث مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے۔ مجھے کئی سرکردہ سیاسی رہنماؤں، عالموں، دانشوروں اور فکرمند شہریوں نے بار بار مشورہ دیا ہے کہ خدارا موجودہ حالات میں انتخابات نہ کرایئے ورنہ ملک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ گرد و پیش تقریباً سبھی ممالک بحران کی سی کیفیت سے دوچار

ہیں۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیئے۔ بعض لوگوں نے موجودہ طریقۂ انتخاب کو سراسر غیر اسلامی قرار دیا ہے اور اُن کا کہنا ہے کہ اسلام میں سیاسی پارٹیوں کا تصوّر ہی موجود نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ الیکشن کرانے سے پہلے نظامِ اسلام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے۔ اِن رائے دینے والوں کے ذہنوں میں جو عناصر کارفرما ہیں، اُن میں قابلِ ذکر یہ ہیں :۔

—— ماضی کے انتخابات کے نتائج کا تلخ تجربہ

—— ملک میں منفی سیاست کی روایت —— اور

—— تشدّد اور ہنگامہ آرائی کا رجحان

اِن باتوں میں کتنے خدشات ہیں اور کتنے حقائق، اس کا اندازہ آپ خود کریں۔ لیکن میرے خیال میں اِن باتوں کو کسی فرد یا گروہ کے مفاد سے منسوب کر کے رد نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے پیچھے محبِّ وطن عناصر کی سوچ اور اُن کا تاریخی شعور کارفرما ہے۔

قومی استحکام کا تقاضا ہے کہ انتخابات سے پہلے اِن میں سے بیشتر خطرات کا سدِّباب کیا جائے تاکہ دو سال پہلے ملک کو جس بحران سے نکالا گیا تھا خدانخواستہ اب یہ اُس سے شدید تر بحران کا شکار نہ ہو جائے۔ اگر اُس وقت میری قومی ذمہ داریوں کا تقاضا یہ تھا کہ میں مداخلت کروں تو آج بھی میرے فرائض کا تقاضا یہ ہے کہ ملک کو محفوظ اور مضبوط ہاتھوں میں دے کر سبکدوش ہوں۔

اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، گزشتہ دو سالوں میں وقتاً فوقتاً چار پانچ سیاسی ضرورتوں کی طرف اشارہ کرتا رہا ہوں۔ یعنی بلدیاتی انتخابات، سیاسی پارٹیوں میں نظم و ضبط لانے کے لئے پارٹیوں کے ایکٹ میں ترمیم، صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختیارات کی تقسیم اور متناسب نمائندگی۔ ان موضوعات

پر سیاسی اور صحافتی حلقوں میں کافی بحث ہوتی رہی ہے۔ جہاں تک بلدیاتی انتخابات اور سیاسی پارٹیوں کے ایکٹ کا تعلق ہے، اِن کے بارے میں فیصلوں کا اعلان بھی میں آج کر رہا ہوں۔ باقی مسائل کے متعلق اظہارِ خیال عنقریب اگلی تقریر میں کروں گا۔

پہلے بلدیاتی انتخابات کو لیجئے۔ بلدیاتی ادارے ہماری سیاسی اور انتظامی عمارت میں بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عوام کے اکثر و بیشتر مسائل حل نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اِن اداروں کی طرف ماضی میں کوئی دھیان نہیں دیا گیا۔ یہ بنیادی کام کرنے کی بجائے عمارت کو اوپر سے شروع کرنے کو ہمیشہ ترجیح دی گئی، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح مفاد پرستوں کو اپنا مفاد حاصل ہوتا نظر آتا تھا۔ اسلامی نظریے کے مطابق ہماری بنیادی ضرورت یہ ہے کہ دیہات، دیہہ، تحصیل، قصبے، ضلع اور شہر میں عوام ایسے نمائندوں کو منتخب کریں جو صحیح معنوں میں متقی ہوں اور عوام کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوں تاکہ وہ مقامی مسائل کو مقامی سطح پر حل کر سکیں۔

تمام سیاسی پارٹیاں بلدیاتی اداروں کی ضرورت اور افادیت کو تسلیم کرتی ہیں، لیکن اختلاف اس بات پر ہے کہ بلدیاتی انتخابات عام انتخابات سے پہلے کرائے جائیں یا بعد میں؟ مجھے اکثر سیاست دانوں نے کہا ہے کہ بلدیاتی انتخابات عام انتخابات سے پہلے نہ کرائے جائیں کیونکہ اُن سے ان کی پارٹی پوزیشن متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں نے ملک کے طول و عرض میں کئی دورے کئے ہیں اور ہر جگہ ہر علاقے کے عوام نے بار بار اصرار کیا ہے کہ خدا کے واسطے بلدیاتی انتخابات عام انتخابات سے پہلے کرایئے کیونکہ عام انتخابات کے بعد آنے والی حکومت اقتدار

اور سیاسی جوڑ توڑ میں اس قدر مصروف ہو جائے گی کہ اُس کو بلدیاتی انتخابات کرانے کی یا تو فرصت ہی نہیں ملے گی یا وہ اس کی ضرورت ہی سے بے نیاز ہو جائے گی۔ یہ خدشات بے بنیاد نہیں ہیں اور وہ ہمارے عوام کی سیاسی بصیرت کی غمازی کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہماری تاریخ بھی اِن خدشات کی تصدیق کرتی ہے۔ پچھلے پندرہ سالوں میں کئی حکومتیں آئیں اور گئیں، لیکن بلدیاتی انتخابات کرانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔

آپ سابقہ حکمراں پارٹی کی مثال ہی لے لیجئے۔ اُس کے ۱۹۷۰ء کے منشور میں بلدیاتی انتخابات کا وعدہ کیا گیا لیکن جب یہ پارٹی برسرِاقتدار آئی تو اس نے تین سال تک اس موضوع کو نہ چھیڑا۔ بالآخر اکتوبر ۱۹۷۴ء میں پہلی مرتبہ بین الصوبائی کانفرنس میں جو کراچی میں منعقد ہوئی یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا اور اُس وقت کے وزیرِاعظم نے کانفرنس کو بتایا کہ حکومت مارچ ۱۹۷۲ء میں بلدیاتی انتخابات کرانا چاہتی تھی، لیکن ایسا نہ کر سکی کیونکہ اس بات کا خدشہ تھا کہ حزبِ اختلاف بلدیاتی انتخابات کو بہانہ بنا کر آئین کی تیاری سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ اس اجلاس میں اس خیال کا بھی اظہار کیا گیا کہ ان انتخابات کے لئے نئی انتخابی فہرستیں درکار ہوں گی۔ لہٰذا الیکشن کمیشن کو جنوری یا فروری ۱۹۷۵ء تک انتخابی فہرستیں تیار کرنے کو کہا جائے تاکہ مارچ یا اپریل ۱۹۷۵ء میں بلدیاتی انتخابات کرائے جا سکیں۔

جب ۱۹۷۵ء کا سال آیا تو پھر کسی نے بلدیاتی انتخابات کی طرف توجہ نہ دی۔ بالآخر اُسی سال کے آخر میں ۲۷ اور ۲۸ دسمبر کو بین الصوبائی رابطے کی ایک میٹنگ میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا تو طے پایا کہ مجوزہ بلدیاتی انتخابات عام انتخابات کے بعد کرائے جائیں تاکہ بلدیاتی انتخابات کے دوران پارٹی میں پیدا ہونے والی تلخی کا اثر عام

انتخابات پر نہ پڑے۔

تیسری مرتبہ یہ مسئلہ ۹ مئی ۱۹۷۶ء کو کابینہ میں زیرِ بحث آیا اور برسرِ اقتدار پارٹی میں انتشار کے خدشات کی بنیاد پر ایک بار پھر اُسے مستقبل کے سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔ گویا سیاسی پارٹیوں کو عام انتخابات سے پہلے بلدیاتی انتخابات کرانے سے بھی پارٹی میں انتشار پڑنے کا ڈر رہتا ہے اور عام انتخابات کے بعد بھی، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے اور آج ہم ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس ابتدائی بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ یہ انتخابات عام انتخابات سے پہلے ہوں یا بعد میں؟

شاید آپ کو یاد ہو گا کہ آزادی سے پہلے بہت سے سکول، کالج، ہسپتال اور دوسرے رفاہی ادارے، ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹیوں کے سپرد ہوتے تھے لیکن بعد میں یہ اختیارات صوبائی حکومتوں نے چھین لئے اور پھر ان کے انتخابات کرانے بند کر دیئے۔

۱۹۵۹ء میں ایک نئے تجربے کا آغاز کیا گیا۔ الیکشن ہوئے اور چند بنیادی ترقیاتی کام ایک بار پھر اُن اداروں کے سپرد کئے گئے جو انہوں نے خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ اس سلسلے میں دوسرا اور آخری الیکشن ۱۹۶۴ء میں ہوا۔ اِس کے بعد پچھلے ۱۵ سالوں میں بلدیاتی انتخابات کی طرف توجہ نہ دی گئی بلکہ کئی بلدیاتی اداروں کو یا تو ختم کر دیا گیا یا اُن پر افسروں اور پارٹی کے کارکنوں کو مسلّط کیا گیا۔

اِس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی سڑک، پرائمری سکول، ڈسپنسری، پینے کے پانی کی سکیم یا گاؤں میں بجلی لانا یا کوئی اور مقامی مسئلہ ہو تو سرکاری افسروں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور معمولی سے کام کے لئے بڑے بڑے دفتروں کے چکّر لگانے پڑتے ہیں۔ جب وزراء موجود ہوں تو وہ سیاسی مصلحتوں

پر ان کاموں کی منظوری دیتے ہیں ورنہ افسر دفتروں میں بیٹھ کر ان سکیموں کو منظور یا نامنظور کرتے رہتے ہیں۔

آپ خود سوچیئے کہ آپ میں سے کتنے لوگ وزیروں یا اعلیٰ افسروں تک پہنچ سکتے ہیں اور کس کے پاس اُن کاموں کے لئے اتنا وقت یا اثر و رسوخ ہے۔ مقامی سطح پر اقتدار عوام کے نمائندوں کے سپرد کرنے کا کم از کم مطلب یہ ہوگا کہ ان بنیادی کاموں کے لئے وہ خود مختار ہو جائیں گے۔

بلدیاتی اداروں کے اختیارات سے میرا مقصد یہ ہے کہ مقامی ترقیاتی منصوبے عوام کے نمائندے خود تیار کریں اور اُن پر عمل کرائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ صوبوں میں ترقیاتی کاموں کے لئے جو بھی رقم رکھی جائے اس کا بیشتر حصّہ بلدیاتی اداروں میں عوام کے نمائندے خود خرچ کریں۔ اسی طرح ان اداروں کے ذریعے یہ بھی ارادہ ہے کہ ولایتی کھاد یعنی فرٹیلائزرز، اچھا بیج اور زراعت کی ترقی سے متعلق دوسری اشیاء کی تقسیم میں بھی اُن کا دخل ہو اور روزمرّہ کی چیزیں مثلاً سیمنٹ، گھی، چینی اور مٹی کے تیل کی ایجنسیاں بھی اِن ہی کے مشورے سے دی جائیں۔

آج کل جگہ جگہ بیوروکریسی پر تنقید کی جا رہی ہے۔ یہ تنقید کسی حد تک جائز بھی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیوروکریسی کو اتنی ذمّہ داریاں دی گئی ہیں کہ کوئی بھی بیوروکریسی عوام کی تسلّی کے مطابق انہیں پورا نہیں کر سکتی۔ اِن شکایات کو دُور کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کے اکثر اختیارات بلدیاتی اداروں کے سپرد کئے جائیں تاکہ مقامی سطح پر عوامی نمائندے مقامی ضروریات کے مطابق سب فیصلے خود کر سکیں۔

اِس کے علاوہ یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ بلدیاتی اداروں کے منتخب نمائندوں

کو JUSTICES OF PEACE کے فرائض بھی سونپے جائیں گے تاکہ وہ حلف ناموں اور دوسری دستاویزات وغیرہ کی تصدیق کر سکیں اور ان کاموں کے لئے عوام کو کچہریوں کے چکر نہ کاٹنے پڑیں۔ اس کے علاوہ انہیں کچھ عدالتی اختیارات بھی دیئے جائیں گے تاکہ وہ مقرر کردہ مقدمات کے فیصلے مقامی سطح پر کر سکیں۔

ان باتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، صوبائی حکومتوں کے ساتھ مشورے سے یہ طے کیا گیا ہے کہ بلدیاتی اداروں کے انتخابات ستمبر میں ہوں گے۔ صحیح تاریخوں کا تعیّن اپنے اپنے صوبوں میں صوبائی حکومتیں کریں گی۔

آزاد کشمیر میں بھی بلدیاتی انتخابات ستمبر میں ہوں گے جس کی تاریخ کا تعیّن حکومتِ آزاد جموّں کشمیر کرے گی۔

بلدیاتی انتخابات کا موضوع ختم کرنے سے پہلے میں چند اہم نکات پر زور دینا چاہتا ہوں:۔

پہلا یہ کہ یہ انتخابات پارٹی کی بنیاد پر نہیں بلکہ انفرادی لحاظ سے کرائے جائیں گے۔

دوسرا یہ کہ یہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہوں گے۔

تیسرا یہ کہ ہر قیمت پر امنِ عامّہ برقرار رکھا جائے گا۔

چوتھا یہ کہ عوام کے منتخب نمائندے کسی سطح پر بھی بیوروکریسی کے ماتحت نہیں ہوں گے اور ضلعی سطح پر ضلعی کونسل کا چیئرمین منتخب نمائندوں میں سے ہوگا۔

پانچواں یہ کہ بلدیاتی نمائندوں کو صوبائی یا قومی اسمبلی کے انتخابات کے لئے انتخابی حلقے یا ELECTORAL COLLEGE کے طور پر استعمال نہیں کیا جائے گا۔

صوبائی حکومتیں مالی، انتظامی اور قانونی اختیارات لوکل باڈیز ایکٹ کے مطابق اِن اداروں کو سونپیں گی۔

بلدیاتی انتخابات اسلامی نقطۂ نظر اور جمہوریت کی طرف پہلا قدم ہوگا جس سے عوام کے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ اہلِ وطن اِن انتخابات کے دوران نظم و ضبط برقرار رکھیں گے اور ان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں گے اور اپنے ووٹ کو صحیح اور صحت مندانہ انداز میں استعمال کر کے صرف انہی نمائندوں کو منتخب کرینگے جو اسکے مستحق ہونگے۔

بلدیاتی انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے میں نے ملک کی سیاسی اور جمہوری عمارت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جمہوری عمارت کی تعمیر میں سیاسی پارٹیاں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کے متعلق پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء موجود ہے۔ یہ ایکٹ جو ۱۷ سال پہلے بنایا گیا تھا، موجودہ تقاضوں کو مکمل طور پر پورا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس میں چند اہم ترامیم کی جا رہی ہیں۔

اس ایکٹ میں پہلی ترمیم یہ کی جا رہی ہے کہ ہر سیاسی پارٹی کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو الیکشن کمیشن کے پاس رجسٹر کرائے جو پارٹی رجسٹرڈ نہیں ہوگی، الیکشن میں حصّہ نہیں لے سکے گی۔

اس ایکٹ میں دوسری ترمیم یہ کی جا رہی ہے کہ وہ پارٹی جو نظریۂ پاکستان، امنِ عامہ، عدلیہ کی دیانتداری اور آزادی یا مسلّح افواج کے خلاف پروپیگنڈہ کرے گی یا اُن کے خلاف نفرت پھیلائے گی، اُس کی رجسٹریشن منسوخ کی جا سکے گی۔ اِسی طرح وہ فرد جو ایسی پارٹی کا رکن ہوگا انتخابات نہیں لڑ سکے گا۔

اس ایکٹ میں تیسری ترمیم یہ کی جا رہی ہے کہ آئندہ ہر پارٹی اپنی سطح پر ہر سال الیکشن کرائے گی اور جس پارٹی نے منشور کے مطابق اپنے انتخابات نہیں کرائے اُسے مہلت دی جائے گی کہ وہ مقررہ میعاد کے اندر پارٹی کے منشور کے مطابق اپنے انتخابات کرا لے ورنہ وہ عام انتخابات میں حصّہ لینے کی مجاز نہ ہوگی کیونکہ یہ مسلّمہ

حقیقت ہے کہ جو پارٹی اپنی صفوں میں جمہوریت نہیں لا سکتی وہ ملک میں جمہوریت لانے کے عمل میں بھی شریک ہونے کی اہل نہیں۔

چوتھی ترمیم کا تعلق پارٹی کے فنڈز سے ہے۔ آئین میں یہ شق موجود ہے کہ ہر سیاسی پارٹی کو قانون کے مطابق اپنے ذرائع آمدنی کا حساب دینا ہوگا، لیکن بدقسمتی سے اس آئینی تقاضے کو پورا کرنے کے لئے کوئی قانون نہ بنایا گیا۔ لہٰذا آئینی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ قانون اب بنایا جا رہا ہے اور اس کے مطابق تمام سیاسی پارٹیاں اپنی آمدنی کا حساب الیکشن کمیشن کو پیش کریں گی اور جس پارٹی کے متعلق یہ ثابت ہوگا کہ اُسے بیرونی امداد ملی ہے، اسے الیکشن کمیشن انتخابات میں حصّہ لینے کے نااہل قرار دے سکے گا۔

سیاسی پارٹیوں کے ایکٹ میں جو ترامیم کی جا رہی ہیں ان کا واحد مقصد یہ ہے کہ سیاسی پارٹیاں مضبوط اور مؤثر ہوں تاکہ وہ اپنے فرائض احسن طریقے سے انجام دے سکیں۔

خواتین و حضرات!

میں آپ کو اس بارے میں بھی اعتماد میں لینا چاہتا ہوں کہ حکومت کو یہ اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ بعض عناصر ملک میں ہنگامے برپا کرنے کی در پردہ تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حال ہی میں کچھ غیر ملکی ساخت کے ہتھیار پاکستان میں اسمگل ہوتے ہوئے پکڑے گئے ہیں اور کچھ گرفتاریاں بھی عمل میں لائی گئی ہیں۔ ابتدائی رپورٹ کے مطابق اس میں بعض سیاسی کارکن بھی ملوّث ہیں۔ ان سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ شرپسند عناصر قانون کی گرفت سے بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ انتشار پھیلا کر ملک کو کسی بحران سے

دوچار کر دیں گے تو وہ سراسر غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ وہ اپنے ناپاک ارادوں میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میں عوام سے بھی اپیل کروں گا کہ وہ بھی حکومت سے تعاون کریں اور ان شر پسندوں کے عزائم کو خاک میں ملانے میں مدد دیں۔

معزز خواتین و حضرات!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، یہ مملکتِ خداداد اس لئے معرضِ وجود میں آئی تھی کہ یہاں اسلامی اصولوں کے مطابق عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کیا جائے۔ ایسا معاشرہ قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ زندگی کی ہر سطح پر قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو تقویٰ اور ایمان کے اعلیٰ اوصاف سے مزّین ہوں۔ اگلے مہینے ہونے والے بلدیاتی انتخابات اہلِ پاکستان کو ایک عرصے بعد یہ سنہری موقع مہیا کریں گے کہ وہ بنیادی سطح پر نیک، محبّ وطن اور متّقی لوگوں کو منتخب کر سکیں جو دنیوی لحاظ سے عوام کے مسائل حل کر سکیں اور دینی لحاظ سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مقاصد کو حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہو سکیں۔ مجھے اہلِ وطن کی بصیرت اور ان کی قوتِ فیصلہ پر اعتماد ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگلے مہینے جو قیادت ملک کے شہر شہر اور قریہ قریہ میں اُبھرے گی، وہ صحیح معنوں میں لوگوں کے اعتماد کی امین اور مملکتِ خداداد کی سچّی خادم ہوگی۔

آیئے، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اِس مرحلے میں کامیاب فرمائے۔ آمین!

پاکستان پائندہ باد

غیر جانبدار سربراہ کانفرنس سے خطاب

۶ ستمبر ۱۹۷۹ء

غیر جانبدار ممالک کی چھٹی سربراہ کانفرنس ہوانا (کیوبا) میں منعقد ہوئی جس میں پہلی بار پاکستان ایک باقاعدہ ممبر کی حیثیت سے شریک ہوا۔ پاکستانی وفد کی قیادت صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاالحق نے کی۔ اس سے پیشتر پانچویں سربراہ کانفرنس میں جو بلغراد میں منعقد ہوئی، پاکستان ایک مبصر کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔

پاکستان کی شرکت اور جنرل محمد ضیاالحق کی ولولہ انگیز تقریر کا پُرجوش تالیوں سے خیر مقدم کیا گیا۔ صدرِ پاکستان نے اپنی تاریخ ساز تقریر کا آغاز امن وسلامتی اور انسانی اخوت کے انقلابی اسلامی پیغام کی یاددہانی سے کیا۔ اپنی پُرجوش تقریر میں انہوں نے دنیا کو درپیش مسائل خصوصاً ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے مسائل کا تجزیہ پیش کیا۔ آخر میں انہوں نے ہوانا کانفرنس کے پیغام کے سات نکات کی نشاندہی کی اور امید ظاہر کی کہ یہ پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں گونجے گا۔

تقریر کے اختتام پر مختلف وفود کے سربراہوں نے صدرِ پاکستان کو بے باک حق گوئی پر مبارک باد پیش کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

جنابِ صدر،
سلاطین،
سربراہانِ مملکت،
وزرائے اعظم،
معزز سفرأ،
محترم مندوبین اور
خواتین و حضرات!

آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا میں ایک بے مثال انقلاب آیا۔ ایک ایسا انقلاب جس نے اُس دور کی شہنشاہیتوں، آمرانہ طاقتوں اور ظالمانہ نظام کو چیلنج کر کے تاریخ کا رُخ بدل دیا۔ اس انقلابی پیغامِ الٰہی میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے

بلکہ تمام انسان اپنے خالق کے نزدیک یکساں اور برابر ہیں۔ یہ پیغام فرد کے ہاتھوں فرد اور قوم کے ہاتھوں قوم کے استحصال اور جبر و استبداد کے خلاف اعلانِ جہاد تھا۔

عظیم انقلابی پیغمبر حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ پیغام امن، مساوات اور انسانی اخوت کا پیغام تھا جو آج بھی اتنا ہی برحق ہے جتنا چودہ سو سال پہلے تھا اور ابد تک برحق رہے گا۔ اس پیغام نے پاکستان کے عوام کو حوصلہ بخشا اور ان کے دلوں کو گرمایا۔ انہوں نے عظیم رہنما قائدِاعظم کی بے مثال قیادت میں اپنے حقِ خود اختیاری، آزادی اور حرّیت کے لئے طویل اور انتھک جدوجہد کی۔ یہ جدوجہد ۱۹۴۷ء میں کامیاب ہوئی جب ہمارے عوام نے غلامی کی زنجیریں توڑ دیں اور ایک آزاد خود مختار مملکت قائم کر لی۔ آج مجھے اس عظیم الشّان کانفرنس میں اس قوم کے پچھتّر ملین عوام کی نمائندگی کا شرف حاصل ہے۔ پاکستان کا معاشرہ اپنے مزاج کے اعتبار سے اسلامی ہے۔ اسی وجہ سے ہم عالمگیر اخوّت، عدل اور مساوات کے اصولوں پر کاربند ہیں۔ انسانی حقوق کا احترام، سماجی انصاف اور مختلف عقائد و نظریات کے ساتھ رواداری اسلام کے بنیادی اصولوں میں شامل ہیں۔

غیر جانبدار ملکوں کی چھٹی سربراہ کانفرنس میں پاکستان کی شرکت بڑا اہم واقعہ ہے اور اس سے پاکستان کے عوام بہت مطمئن ہیں۔ یہ گویا اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ عادلانہ اور منصفانہ عالمی نظام قائم کرنے کی مشترکہ کوششوں میں پاکستان برابر کا شریک رہا ہے۔ غیر جانبدار ملکوں کی تحریک میں پاکستان کی باقاعدہ شمولیت اور اس کے پُرجوش خیرمقدم کو میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور پاکستان کی حکومت اور عوام کی طرف سے اس کے لئے دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جنابِ صدر!

غیر جانبدار ملکوں کی تحریک کی اس کانفرنس کی صدارت کا منصبِ جلیل سنبھالنے پر میں آپ کو خلوصِ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ کی اپنے ملک کی آزادی اور ترقی کی جدوجہد میں جرأت مندانہ قیادت بے مثل اور لازوال ہے۔ ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ آپ نے جس تدبّر، فہم و فراست اور بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے آئندہ برسوں میں تحریک کے مقاصد کو اور تقویت پہنچے گی۔ بنی نوع انسان کی مشترکہ فلاح و بہبود کی جو عظیم ذمہ داریاں ہمارے کاندھوں پر ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں پوری کرنے کے لئے ہمیں توفیق دے اور ہماری رہنمائی فرمائے۔

گزشتہ تین برس کے دوران سری لنکا نے جس خوبی کے ساتھ غیر جانبدار تحریک کی رہنمائی کی ہے، اس کے لئے میں آپ کے ممتاز پیشرو صدر جے وردھنے کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔

کیوبا کی حکومت اور عوام نے اس کانفرنس کے لئے جو شاندار انتظامات کئے ہیں اور پاکستانی وفد کے ساتھ جس خلوص و محبّت اور مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے لئے بھی میں ان کا اور خصوصی طور پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں پاکستان کی طرف سے غیر جانب دار تحریک کے نئے ممبروں بولیویا، گریناڈا، سُرینام، نکاراگوا، محبِّ وطن محاذ اور اپنے ہمسایہ ملک ایران کو مبارک باد دیتا ہوں جس کے ساتھ پاکستان اخوّت کے دائمی رشتوں میں منسلک ہے۔ ایرانی عوام نے اپنے عظیم رہنما آیت اللہ روح اللہ خمینی کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلسل جدوجہد سے جو کامیابی حاصل کی ہے، پاکستان کے عوام کو اس پر بڑی خوشی ہے اور ہم اسلامی جمہوریۂ ایران کے قیام کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

۱۹۵۰ء سے شروع ہونے والے عشرے میں کولمبو، بوگور اور بنڈونگ میں جو ابتدائی کوششیں کی گئی تھیں، پاکستان ان میں پوری طرح شریک رہا ہے اور جیسا کہ صدر جے وردھنے نے حال ہی میں کہا تھا کہ انہی کوششوں کے نتیجے میں غیر جانب دار تحریک نے باقاعدہ شکل اختیار کی۔ میں نے گزشتہ سال بلغراد کانفرنس کے موقع پر اپنے پیغام میں کہا تھا کہ پاکستان کی پالیسی اپنی روح اور ہیئت کے اعتبار سے ابتدا سے ہی غیر جانب دار رہی ہے۔ بنڈونگ کانفرنس میں پُرامن بقائے باہمی کے جو اصول مرتّب کیے گئے تھے اور جن کی غیر جانب دار تحریک نے بھرپور حمایت کی ہے، وہی اصول پاکستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہیں۔ غیر جانب دار قوموں کے لئے خاص طور پر یہ اصول اور مقاصد نہ محض سیاسی نعرے ہیں نہ مجرّد تصورات بلکہ یہ وہ اصول ہیں جنہیں پوری نوع انسان کے لئے مستقل اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان اصولوں کی پابندی کرنے یا نہ کرنے سے وہ فرق پیدا ہو سکتا ہے جو تحفظ اور عدم تحفظ، آزادی اور غلامی اور امن اور جنگ میں ہے۔ اس لئے یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ ہوانا کانفرنس ان اصولوں کی نہ صرف حمایت کرے بلکہ ان پر کاربند بھی رہے تاکہ غیر جانب دار تحریک کا بنیادی کردار برقرار رہ سکے۔

اس کانفرنس میں مارشل ٹیٹو کی موجودگی ہمارے لئے باعثِ افتخار ہے اور یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے غیر جانب دار تحریک کے اجرا ارتقا اور استحکام میں جو اہم کردار ادا کیا ہے ہم اس کا اعتراف کریں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد دنیا میں حریف بلاکوں کا وجود عمل میں آیا اور اس میں یوگوسلاویہ نے جو آزادانہ پالیسی اختیار کی، اُس سے حریف بلاکوں کے ساتھ غیر جانب داری

کے نظریے کو تقویت ملی۔ ہم مارشل ٹیٹو کی بصیرت، بیباکی اور مستقل مزاجی کو سلام کرتے ہیں جس نے اس نظریے کو ایک عملی صورت بخشی اور بلغراد میں پچیس ملکوں کی تاریخی سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ آج یہ تحریک دنیا کے تمام حصّوں کے تقریباً ایک سو ملکوں کی مشترکہ قوت کی مظہر بن چکی ہے۔

پاکستان کے نزدیک غیر جانب دار تحریک حقیقت میں آزادئ فکر و عمل کی توثیق، امن و انصاف، برابری اور ترقی کی قوت کی مظہر ہے۔ یہ تحریک رنگ و نسل اور سیاسی عقائد کے امتیازات سے بالا افراد و اقوام کی مشترکہ برادری کا نام ہے۔ یہ نہ تو کسی بلاک یا گروہ بندی کے خلاف ہے اور نہ ہی بڑی طاقتوں کے کسی بلاک کی طرفدار! یہ آزاد ملکوں کی ایک رضاکارانہ انجمن ہے جو مشترکہ مقاصد کے لئے متّحد ہوئے ہیں اور وہ مقاصد یہ ہیں کہ ہر قسم کی نوآبادیت، سامراجیت اور نسل پرستی جس میں صیہونیت بھی شامل ہے، ختم کی جائے اور ہر قسم کے غلبے، تسلّط اور بالادستی کی مخالفت کی جائے۔ اس تحریک کا ایک بنیادی مقصد عام اور مکمّل تخفیفِ اسلحہ کرنا، اجتماعی سلامتی کا ایک عالمگیر نظام قائم کرنا اور ایک نیا منصفانہ عالمی معاشی نظام وجود میں لانا ہے۔

غیر جانب دار ممالک کی یہ سربراہ کانفرنس پہلی بار لاطینی امریکہ میں منعقد ہو رہی ہے۔ ہم اسے خاص اہمیّت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سیاسی اور معاشی آزادی کے لئے ہماری اجتماعی کوششوں میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

جنابِ صدر!

ہم صحیح معنوں میں آزاد اور خود مختار کہلانے کے اسی صورت میں مستحق

ہو سکتے ہیں کہ جب ہم نوآبادیاتی اور سامراجی تسلّط کے خلاف جدّوجہد کرکے مکمل اور غیر مشروط طور پر آزادی حاصل کرلیں۔ فلسطین اور جنوبی افریقہ کے عوام کی آزادی کے لئے دلیرانہ جدّوجہد ہماری اس تحریک کی روح کی عکاسی کرتی ہے۔

مشرقِ وسطیٰ کے دگرگوں حالات ایک عالمگیر تباہی کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہاں کے طویل خلفشار کی تاریخ دراصل ناانصافیوں اور فلسطین کی ارضِ مقدس کے بہادر عوام کے خلاف جارحانہ سازشوں کی ایک المناک داستان ہے۔ یہ نوآبادیاتی تسلّط اور صیہونیت کے خلاف حق پرست اور اصول پسند عوام کی پُرعزم جدّوجہد کی ایسی داستان ہے جو مسلسل قربانیوں، سرفروشیوں اور جاں نثاریوں کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ فلسطین کی پوری سرزمین اور دوسرے عرب علاقوں پر اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ اور پے درپے اس کی فوج کے جارحانہ حملوں نے جو آج تک جاری ہیں، فلسطین کے عوام اور دنیائے عرب کے خلاف اسرائیل کے تشدّد کو اور بھی سنگین بنادیا ہے۔ کیمپ ڈیوڈ میں طے پانے والے جانب دار سمجھوتوں نے اسرائیل کے حوصلوں کو اور بھی بڑھا دیا ہے اور اس نے جنوبی لبنان پر وحشیوں کی طرح اندھا دھند بمباری کرکے شہروں، دیہاتوں اور فلسطینی مہاجرین کے کیمپوں میں نہتّے اور بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچّوں کو تہس نہس کرنے کا سلسلہ جاری کررکھا ہے۔

ہمیں اس بات پر دلی صدمہ ہے کہ اسرائیل کی غاصب حکومت بیت المقدس کے تقدّس اور اس شہر سے مسلمانوں اور عیسائیوں کی روایتی اور تاریخی یادگاروں کو صیہونیت کا رنگ دے رہی ہے اور ان کی بے حرمتی کررہی ہے۔ اسرائیل نے

ان اقدامات کے ذریعے تمام بین الاقوامی فیصلوں کی خلاف ورزی ہی نہیں کی بلکہ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتوں کو بھی جان بوجھ کر پسِ پشت ڈال دیا ہے۔

جنابِ صدر!

مشرقِ وسطیٰ میں حق و انصاف پر مبنی دیرپا امن جن شرائط پر قائم کیا جا سکتا ہے وہ صاف اور واضح ہیں اور ان شرائط کو اقوامِ متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی اداروں نے بھی تسلیم کیا ہے جن میں افریقی اتحاد کی تنظیم، اسلامی کانفرنس اور غیر جانب دار تحریک سب ہی شامل ہیں۔ شرائط یہ ہیں:۔

اوّل یہ کہ فلسطین کے عوام کو اپنے وطن فلسطین کی آزادی اور خود مختاری حاصل کرنے کے بنیادی حق یعنی حقِ خود ارادیت کو استعمال کرنے کی کھلی اور مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔

دوم یہ کہ اسرائیل عربوں کے اُن تمام علاقوں کو جس پر اس نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، بلا کسی شرط و استثنا کے فوری اور مکمل طور پر اپنے قبضے اور تصرف سے آزاد کر دے۔ اس ضمن میں، میں نہایت واضح طور پر یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ بیت المقدس کسی شرط کے بغیر فوری طور پر عربوں کو واپس ملنا چاہیئے۔ اس کے لئے کسی قسم کے سمجھوتے یا سودے بازی کی ہرگز اجازت نہیں دی جانی چاہیئے۔

یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ کیمپ ڈیوڈ میں جو سمجھوتہ ہوا تھا اس میں نہ صرف مشرقِ وسطیٰ میں قیامِ امن کے لئے ان انتہائی ضروری باتوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا بلکہ اس کے برعکس ایک ایسا یکطرفہ اور جانب دار سمجھوتہ مسلّط کیا گیا جس سے ایک طرف تو فلسطینی عوام کے حقوق پر زد پڑی تو دوسری طرف عرب علاقوں سے اسرائیل کا انخلا شک میں پڑ جاتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ہوانا کی یہ سربراہی کانفرنس اس قسم کے جانب دار سمجھوتے کو ہرگز قبول نہیں کرے گی اور مشرقِ وسطیٰ میں دیرپا امن کے قیام کے بنیادی اصولوں کی پُرزور حمایت کرے گی۔ اس کانفرنس کو خاص طور پر یہ حقیقت پوری دنیا پر واضح کر دینی چاہیئے کہ ہمارا ایک رکن یعنی تنظیمِ آزادیٔ فلسطین تمام بہادر فلسطینی عوام کی واحد اور جائز نمائندہ اور اس تنازعہ کی اہم فریق ہے۔ جب تک تنظیم آزادیٔ فلسطین اس سلسلے میں عملی اور بھرپور انداز میں شریک نہ ہوگی، مشرقِ وسطیٰ میں دیرپا امن قائم نہیں ہو سکے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے برادر، جناب یاسر عرفات کی جرأت مندانہ قیادت میں تنظیم آزادیٔ فلسطین کو فتح حاصل ہوگی اور ہم جلد ہی فلسطین کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت سے، اس تحریک میں خوش آمدید کہیں گے۔

افریقہ کے جنوب میں حالات نہایت تیزی سے کسی نتیجہ خیز آخری مرحلے کی سمت بڑھ رہے ہیں۔ زمبابوے، نمیبیا اور جنوبی افریقہ میں نسلی اور نوآبادیاتی نظام کی آخری اور فتنہ انگیز یادگاریں بعض ایسی عالمی طاقتوں کی حمایت اور امداد کی وجہ سے باقی ہیں جنہوں نے یہاں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے اور جن کا مفاد استحصالی نظام کے قائم رہنے میں مضمر ہے۔

سیاسی سطح پر گفت و شنید ان ملکوں کو آزادی دلانے میں اب تک ناکام رہی ہے اور آئندہ بھی اس کے کامیاب ہونے کے امکانات کم ہیں، بلکہ غاصب حکومتوں نے اس گفت و شنید کو جان بوجھ کر طول دیا ہے تاکہ ان علاقوں پر ان کا تسلّط تا دیر برقرار رہے۔

غیر جانب دار تحریک کو ان علاقوں سے نسل پرستوں کے غاصبانہ تسلّط کو

ختم کرنے کی جدوجہد کی پُرزور حمایت اور امداد کرنی چاہیئے۔

ہم اس کانفرنس میں جناب جوشوانکومو اور رابرٹ موگابے کی شرکت کا، جو زمبابوی عوام کے باہمّت اور حوصلہ مند قائد ہیں، پُرجوش خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس موقع پر میں پاکستان کے اس عہد کو دہراؤں گا کہ پاکستان محبِّ وطن محاذ کی بھرپور حمایت کرتا ہے جو ہمارے نزدیک زمبابوی عوام کی مسلّمہ نمائندہ جماعت ہے۔

میں سواپو کے عظیم اور مخلص قائد جناب سام نجوموکا بھی گرم جوشی سے خیر مقدم کرتا ہوں اور ان کو یقین دلاتا ہوں کہ میری حکومت اس جدّوجہد کی بھرپور حمایت کرتی رہے گی جو جنوب مغربی افریقہ کی عوامی تنظیم، جنوبی افریقہ سے نمیبیا کے عوام کو آزاد کرانے کے لئے کر رہی ہے۔ وہ دن دُور نہیں جب جنوبی افریقہ کے عوام اپنی آزادی کے سُہانے خواب کو پورا کر دکھائیں گے اور وہ نسلی امتیاز کے غیر منصفانہ اور غیر انسانی نظام کا خاتمہ کر کے ہی دم لیں گے۔

مظلوم عوام کی ہر تحریکِ آزادی کی بھرپور حمایت کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان ان مسائل کا سیاسی حل تلاش کرنے کے بھی ہرگز خلاف نہیں ہے۔ زمبابوے میں حقیقی اکثریتی حکومت قائم کرنے کے بارے میں لندن میں جو کانفرنس ہونے والی ہے، ہمیں اس کے متعلق کوئی بدگمانی نہیں ہے بلکہ یہ امید ہے کہ یہ کانفرنس کوئی ایسا حل تلاش کر لے گی جو سب کے لئے قابلِ قبول ہوگا۔ جنوبی افریقہ سے نمیبیا میں غیر جانب دارانہ استصوابِ رائے کرانے کے بارے میں سلامتی کونسل کے فیصلے پر عملدرآمد کے لئے جو نئی کوششیں کی جائیں گی، پاکستان ان کی بھی حمایت کرے گا، لیکن ایسی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ بڑی مغربی طاقتیں نسل پرست حکومت پر نہ صرف دباؤ ڈالیں بلکہ اقوامِ متحدہ کے منشور کے ساتویں

باب کے مطابق سخت اقدامات کرنے سے بھی گریز نہ کریں۔

جنابِ صدر!

یہ افسوس کی بات ہے کہ بین الاقوامی تعلقات پر بڑی طاقتوں کی سیاست اور دہشت گردی ابھی تک مسلط ہے۔ یہ اور بھی گہرے دکھ اور تشویش کی بات ہے کہ چھوٹے اور کمزور ممالک جن کی غیر جانب دار تحریک میں اکثریت ہے، جارحیت، بیرونی مداخلت، تخریب کاری اور ہر طرح کے دباؤ کے خطرات سے دوچار ہیں۔

غیر جانب دار تحریک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد اور استحکام کو تقویت دے اور اجتماعی سلامتی کے ایک ایسے مؤثر نظام کو، جس کا تصوّر اقوامِ متحدہ کے منشور میں پیش کیا گیا ہے، وجود میں لانے کے لئے اور زیادہ سرگرمی سے کام کرے۔ غیر جانب دار تحریک کے ممبر ملکوں کو مزید تحفّظ دینے کے لئے علاقائی سطح پر اقدامات کرنے کے لئے غور کیا جا سکتا ہے اور جہاں کہیں ممکن ہو، علاقائی سطح پر ہتھیاروں میں کمی کے سمجھوتے پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ اپنی طرف سے پاکستان اپنے اس عزم کو پھر دُہراتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں وہ طاقت کا استعمال نہیں کرے گا اور تمام تنازعات چاہے وہ دوطرفہ ہوں یا علاقائی یا اجتماعی، ان کے حل کے لئے پُرامن تصفیہ کے مناسب بندوبست میں شامل ہونے کے لئے ہمہ وقت تیار رہے۔

پاکستان نے ہمیشہ تمام ملکوں کے ساتھ خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے، اچھے تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کی ہے اور آئندہ بھی اس پالیسی پر عمل پیرا رہے گا۔ پاکستان ایک آزاد اور خودمختار ملک ہے اور وہ کسی بھی بیرونی طاقت کو اپنی داخلی اور خارجہ پالیسیوں میں مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہم نے

اس بات کا پورا عزم کر رکھا ہے کہ ہم اپنے فیصلے خود ہی کریں گے اور اپنی راہِ عمل متعین کرنے کی ذمہ داری بھی ہماری اپنی ہے۔

جنابِ صدر!

پاکستان، پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں کی بنیاد پر، اپنے ہمسایوں کے ساتھ تعلّقات استوار کرنے میں پوری سرگرمی سے مصروفِ عمل ہے۔ ہندوستان کے ساتھ ہمارے تعلّقات بہتر ہو گئے ہیں اور باہمی مفاد کی بنیاد پر مختلف شعبوں میں تعاون کا دائرہ بڑھانے کا عمل جاری ہے۔ پاکستان نے اقوامِ متّحدہ کی متعلقہ قراردادوں کے مطابق اور معاہدۂ شملہ کے جذبے کے تحت جموّں و کشمیر کے مستقبل سے متعلق تنازعے کا حل تلاش کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اس مسئلے کا منصفانہ اور پُرامن تصفیہ ہو جانے سے جنوبی ایشیا میں تعاون اور دوستی کے ایک نئے دَور کا آغاز ہو گا۔

بنگلہ دیش کے لئے، جس کے ساتھ ہم مشترکہ تاریخ، مذہب اور ثقافت کے رشتوں میں منسلک ہیں، اہلِ پاکستان کے دل میں ایک خاص جگہ ہے۔ ان دونوں ملکوں میں ہر شعبے میں قریبی تعاون کا دائرہ برابر بڑھ رہا ہے۔

اپنے ہمسایہ ملک افغانستان کے ساتھ بھی پاکستان کے صدیوں پرانے تاریخی، ثقافتی اور مذہبی رشتے ہیں۔ حکومتِ پاکستان، پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں کی بنیاد پر، افغانستان کے ساتھ اچھے ہمسائیگی کے تعلقات قائم کرنے کی مسلسل کوشش کرتی رہی ہے اور وہ اصول یہ ہیں کہ ایک دوسرے کی خود مختاری اور علاقائی سالمیت کا احترام کیا جائے۔ عدمِ جارحیت، برابری، باہمی مفاد اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدمِ مداخلت کے اصول پر عمل کیا جائے۔ افغانستان

کے ساتھ ہمارا کوئی سیاسی اختلاف نہیں ہے لیکن اگر افغانستان یہ سمجھتا ہے کہ کوئی سیاسی اختلاف ہے تو ہم اس کے بارے میں ہر وقت اور ہر جگہ بات چیت کرنے کو تیار ہیں۔

یہ امر باعثِ افسوس ہے کہ ہم جس باہمی اعتماد کے فروغ کے خواہش مند ہیں، اس میں ایک لاکھ ستّر ہزار سے زائد افغان مہاجرین کی پاکستان میں آمد رکاوٹ کا باعث بن رہی ہے۔ اتنے بڑے پیمانے پر مہاجرین کی آمد سے ہمارے وسائل پر زبردست دباؤ پڑا ہے، لیکن خالص انسانی ہمدردی کے پیشِ نظر ہم اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی نہیں کر سکتے۔

شمال میں اپنے عظیم ہمسایہ ملک سوویت یونین کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کئی شعبوں میں برابر فروغ پا رہے ہیں۔ سوویت یونین نے مختلف شعبوں خصوصاً بھاری صنعتوں کے قیام کے سلسلے میں پاکستان کو جو بیش قیمت امداد دی ہے ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔ بہت سے عالمی مسائل کے بارے میں پاکستان اور سوویت یونین کے موقف میں اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے۔

اپنے عظیم ایشائی ہمسایہ عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ پاکستان کے تعلقات نہایت مخلصانہ اور دوستانہ ہیں۔ یہ تعلقات پُرامن بقائے باہمی کے پانچ اصولوں کے احترام کی بنیاد پر قائم ہیں۔ پاکستان اور چین کی دوستی، جسے ہمارے عوام کی مکمل حمایت حاصل ہے، گزشتہ برسوں سے برابر بڑھ رہی ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ چین نے اصولوں کی بنیاد پر ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کی آزادی کی جدّوجہد کی بھرپور حمایت کی ہے۔ ہر چند کہ چین خود بھی ایک ترقی پذیر ملک ہے، لیکن وہ تیسری دنیا کے بہت سے ملکوں کو

ان کی قومی تعمیر اور ترقیاتی کوششوں میں فراخدلانہ امداد فراہم کر رہا ہے۔ پاکستان کے لوگ اس بے لوث اور مخلصانہ امداد کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چین بین الاقوامی معاملات میں آئندہ اور زیادہ اہم کردار ادا کرے گا اور وہ سامراجیت، نسل پرستی، صیہونیت، بالادستی اور ہر قسم کی نوآبادیت کے خلاف غیر جانبدار تحریک کی جدوجہد کو مضبوط تر بنانے میں مدد دیتا رہے گا۔

جنابِ صدر!

بین الاقوامی امن اور سلامتی کے لئے بلکہ خود تہذیب و تمدن کی بقا کے لئے سب سے بڑا خطرہ وہ زبردست ایٹمی اسلحہ خانے ہیں جو عظیم طاقتوں خصوصاً دو عظیم ترین ایٹمی طاقتوں کے قبضے میں ہیں۔ جب تک یہ طاقتیں جدید سے جدید تر اور زیادہ سے زیادہ تباہ کن ہتھیاروں کے جمع کرنے میں مصروف رہیں گی، اس وقت تک نیا عالمی نظام قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔ غیر جانبدار تحریک کو ایٹمی اسلحہ ختم کرانے کی جدوجہد میں پیش پیش رہنا چاہیے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ تخفیفِ اسلحہ سے متعلق بین الاقوامی مذاکرات کی رفتار تیز تر کی جائے۔ تخفیفِ اسلحہ سے متعلق سالٹ دوم کا دائرہ اگرچہ بہت محدود ہے، تاہم یہ صحیح سمت میں ایک نہایت اہم قدم ہے۔ بڑی ایٹمی طاقتوں کو ابھی اپنے ایٹمی اسلحہ خانوں میں اہم اور بامعنی تخفیف کرنے کے بارے میں اپنے وعدے پورے کرنے ہیں۔ اسی اثنا میں کم از کم ایسے اقدامات کی ضرورت ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال یا استعمال کرنے کی دھمکی کا امکان باقی نہ رہے۔

پاکستان ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال پر مکمل پابندی کے مطالبے کی تجدید کرتا ہے، لیکن پہلے اور ابتدائی قدم کے طور پر غیر جانب دار ملکوں کو ایٹمی طاقتوں

سے یہ مطالبہ کرتے کا حق ہے کہ وہ قانونی پابندی کے ساتھ اس بات کا وعدہ کریں کہ ایسے غیر ایٹمی ملکوں کے خلاف ایٹمی ہتھیار نہ تو استعمال کئے جائیں گے اور نہ استعمال کی دھمکی دی جائے گی جو عظیم طاقتوں کے ایٹمی فوجی معاہدوں میں شامل نہیں ہیں۔ پاکستان نے ان ہی خطوط پر ایک بین الاقوامی دستاویز کا مسودہ تجویز کیا ہے اور اسے امید ہے کہ یہ کانفرنس اس تجویز کی حمایت کرے گی۔

صورتِ حال یہ ہے کہ بڑی ایٹمی طاقتیں ایٹمی اسلحہ کی تخفیف اور ایٹمی ہتھیار استعمال نہ کرنے سے متعلق جائز اور معقول تجاویز کو قبول کرنے میں پس و پیش کر رہی ہیں۔ البتہ ایٹمی پھیلاؤ کا سوال اُن کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے جبکہ تخفیفِ اسلحہ کے دیگر تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ محض اس مفروضے کی بنا پر کہ اس سے ایٹمی پھیلاؤ ہو گا، انہوں نے جدید ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول کے سلسلے میں ترقی پذیر ملکوں کے خلاف ایک مہم شروع کر رکھی ہے۔ خاص طور پر پاکستان کو اس شر انگیز پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ہم پر یہ دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ ہم اپنے پُر امن ایٹمی پروگرام کو ترک کر دیں۔ ایک اسلامی بم کا نام لے کر بے بنیاد اندیشے پیدا کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک امریکی سینیٹر نے یہاں تک خیال آرائی کی کہ پاکستانی بم ہندوستان کے شہروں کو تباہ و برباد کر دے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ اِس کا مقصد اُن پرانے اندیشوں اور معاندانہ جذبوں کو ہوا دینا ہے جن کی وجہ سے ماضی میں دونوں ملکوں میں کشیدگی تھی، حالانکہ اِس وقت ہندوستان اور پاکستان دونوں ہی باہمی اعتماد کی فضا میں اچھے تعلقات قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ اس کے علاوہ بعض مغربی ذرائع ابلاغ نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ پاکستان کی پُر امن تنصیبات کو تباہ کر دینے کے لئے کارروائی کی جائے اور چھاپہ ماروں کے

ذریعے حملہ کرا کے انہیں برباد کر دیا جائے۔

یہاں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ایسی دھمکیوں اور ایسے پروپیگنڈے سے پاکستان کو مرعوب نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا ایٹمی پروگرام بالکل پُرامن ہے۔ کوئلہ، تیل اور گیس کافی مقدار میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ایٹمی توانائی پر پاکستان کا انحصار ناگزیر ہے۔ کسی ترقی پذیر ملک کو اس اہم شعبے میں خود کفالت حاصل کرنے کی تگ و دو کرنے کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

دراصل سب سے شدید خطرہ اُن ایٹمی اسلحہ خانوں سے ہے جو پوری دنیا میں بڑی ایٹمی طاقتوں نے پھیلا رکھے ہیں۔ اس خطرے کو دُور یا کم کرنے کے لئے مؤثر اقدامات نہیں کئے گئے۔ اس سے بھی بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ تیسری دنیا کے ملکوں میں ایٹمی توانائی کی ترقی پر بڑا شور و غل مچایا جاتا ہے، لیکن اسرائیل اور جنوبی افریقہ نے خفیہ طور پر ایٹمی صلاحیت حاصل کر کے جو خطرہ پیدا کر رکھا ہے، اس سے چشم پوشی کی گئی ہے۔

جنابِ صدر!

سیاسی آزادی کو مستحکم کرنے، حق و انصاف اور برابری کی بنیادوں پر معاشرہ قائم کرنے کے لئے معاشی ترقی نہایت ضروری ہے۔ موجودہ بین الاقوامی اقتصادی نظام کی غیر منصفانہ نوعیت اس بات سے عیاں ہے کہ اس میں ترقی پذیر ممالک کے وسائل برابر ترقی یافتہ ممالک کی جانب منتقل ہو رہے ہیں اور اس طرح موجودہ ناانصافیوں اور اقتصادی ناہمواریوں کی جڑیں مضبوط ہو رہی ہیں۔ آنے والے سال میں ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ ہماری جو گفت و شنید ہو گی اور جو جنرل اسمبلی کے ۱۹۸۰ء میں منعقد ہونے والے اجلاس تک جاری رہے گی، یقیناً نہایت اہم و نازک

ہو گی۔

اس سلسلے میں عالمی تقسیم زر اور تجارتی نظام کی اصلاح کر کے ایک نیا عالمی اقتصادی نظام قائم کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں گی وہ ہماری جدوجہد کا سب سے نازک مرحلہ ہوگا۔ موجودہ اقتصادی نظام، نوآبادیت اور سامراجی استحصال کے سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے۔ ترقی پذیر ممالک اب اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اپنا خام مواد مسلسل ترقی یافتہ ملکوں کو فراہم کرتے رہیں تاکہ ان کی صنعتیں جاری رہیں۔

تیل پیدا کرنے والے ملکوں نے اپنی بیش بہا پیداوار پر کنٹرول کرنے کا جو تاریخی اقدام کیا ہے اس سے یہ توقع پیدا ہوئی ہے کہ ترقی پذیر ممالک باہمی اشتراک و تعاون سے سب کے لئے معاشی مواقع حاصل کر سکیں گے۔ چھٹے خصوصی اجلاس میں عالمی برادری نے نیا بین الاقوامی اقتصادی نظام رائج کرنے پر اپنی متفقہ رائے کا اظہار کیا ہے۔ بدقسمتی سے اس منزل کی جانب کوئی ٹھوس پیش رفت اب تک نہیں ہو سکی۔

ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ ہم طویل گفت وشنید میں مصروف رہے لیکن ہمیں اپنے مقاصد میں ذرا بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اس دوران ترقی یافتہ ممالک نے تیل کی بڑھتی ہوئی قیمت کے اضافی اخراجات سب سے زیادہ خستہ حال ترقی پذیر ملکوں کی جانب منتقل کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی ہماری مصنوعات کی برآمد روکنے کے لئے ترقی یافتہ ممالک روز بروز زیادہ سے زیادہ پابندیاں لگا رہے ہیں۔ اسی طرح مالی امداد کم ہونے اور قرضوں کے بوجھ بڑھنے سے ترقی پذیر ملکوں کے لئے مشکل ہو رہا ہے کہ وہ اپنے ترقیاتی منصوبوں کو جاری رکھ سکیں۔

اندریں حالات وقت کی یہ اشد ضرورت ہے کہ جو ترقی پذیر ممالک ان مشکلات

سے خاص طور سے دوچار ہیں ان کی رعایتی مالی امداد میں وافر اضافہ کیا جائے اور قرضوں کا بوجھ کم کرنے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں اور ساتھ ہی وہ رکاوٹیں بھی دُور کی جائیں جو ترقی پذیر ملکوں کو اپنا سامان دوسرے ممالک کو برآمد کرنے کے راستے میں حائل ہو رہی ہیں۔ ہمیں اس امر کی پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ بین الاقوامی معاشی اور مالیاتی تعاون کو جدید خطوط پر استوار کیا جائے تاکہ ترقی پذیر ممالک کے ترقیاتی پروگراموں کی ضروریات کے مطابق وسائل صحیح اور یقینی طور پر منتقل کیے جا سکیں۔

ایسے جدید بین الاقوامی اقتصادی نظام سے دیگر فوائد کے علاوہ، غیر جانب دار ممالک کے مابین اتحاد اور یکجہتی بھی پیدا ہو جائے گی اور ترقی یافتہ ممالک سے معاملہ کرنے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان کا مقابلہ کرتے کے لیے ہماری اجتماعی قوت واثر میں بھی اضافہ ہو سکے گا۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اجتماعی خود کفالت اور باہمی اشتراک وتعاون کے نئے نئے مواقع کی تلاش زیادہ سرگرمی سے جاری رکھنی چاہیئے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اروشا کی کانفرنس میں اجتماعی باہمی خود کفالت کا جو پروگرام طے پایا تھا اور جس کی توثیق منیلا میں بھی کی گئی تھی، اس سے ہماری کوششوں کو مزید تقویت حاصل ہو گی۔ ایسے تمام پروگراموں اور اقدامات کے قابلِ قبول ہونے کے لئے اُن میں باہمی مفادات کا تحفظ لازمی ہے تاکہ اقتصادی اشتراک و تعاون مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکے اور ایک دوسرے کے وسائل کا لین دین باہمی طور پر نفع بخش اور منصفانہ ہو۔

جنابِ صدر!

ہم موجودہ عالمی اقتصادی نظام کی از سرِ نو تشکیل و ترتیب کا مطالبہ کرتے

ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک کو اور زیادہ غریب بنانے اور بین الاقوامی سطح پر ناہمواریوں کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے رجحان کو نہ صرف روکا جائے بلکہ اس کا رُخ بھی بدلا جائے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ بین الاقوامی محاذ پر اس سے بڑھ کر اہم اور کوئی مسئلہ ہمیں درپیش نہیں کہ بنی نوعِ انسان کی دو تہائی آبادی کو بھوک، افلاس، بیماری، جہالت اور ذلت سے نجات حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جائے تاکہ وہ باعزت زندگی گزار سکیں۔

جنابِ صدر!

آخر میں میری یہ تمنا ہے کہ آج ہوانا سے یہ پیغام دنیا کے ہر گوشے میں پھیل جائے:۔

— کہ اس کانفرنس کے تمام شرکاء نے غیر جانبدار تحریک کے اصولوں اور مقاصد پر کاربند رہنے کا از سرِ نو عہد کیا ہے۔

— کہ یہ تحریک اپنی پیش رفت کو جاری رکھے گی اور اس منفرد کردار کو ادا کرتی رہے گی جو بین الاقوامی معاملات میں اس نے اختیار کیا ہے۔

— کہ یہ تحریک دنیا بھر میں آزادی، امن، انصاف اور ترقی و خوشحالی کے فروغ کے لئے اپنی کوششوں میں کسی قسم کی کمی یا کمزوری نہیں آنے دے گی۔

— کہ یہ تحریک دنیا سے ہر قسم کے استحصال، بالادستی اور جبر و استبداد کے خلاف نبرد آزما ہونے میں اپنی کوششوں میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرے گی۔

— کہ غیر جانبدار اقوام کی یہ تحریک جنگ کی نہیں امن کی اور تصادم کی نہیں بلکہ تعاون کی خواہاں رہے گی۔

— کہ اس تحریک کے جملہ شرکار ایک نئے عالمی نظام کے قیام کے لئے کوشاں رہیں گے۔

— کہ وہ بنی نوعِ انسان کی عزت و توقیر بحال کرنے کیلئے ہمیشہ مستعد رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس تحریک کے ان اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کی بصیرت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین !

جنابِ صدر ! شکریہ !

پریس کانفرنس سے خطاب

۱۰ ستمبر ۱۹۷۹ء

ہوانا میں غیر وابستہ تحریک کی چھٹی سربراہی کانفرنس میں شرکت کے بعد صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاالحق نے اسلام آباد ایئرپورٹ پر ایک پُرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اپنی ابتدائی تقریر میں انہوں نے پاکستان کی اِس تحریک میں شمولیت اور اس اجلاس کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کانفرنس میں پاکستان کے کردار کی تفصیلات بتائیں۔

ابتدائی تقریر کے بعد صحافیوں نے صدرِ پاکستان سے مختلف داخلی اور خارجی امُور کے بارے میں سوالات کئے۔ بیشتر سوالات غیر وابستہ تحریک میں پاکستان کی شرکت کے بعد اسلامی ممالک اور سپر پاورز سے تعلقات کی نوعیت، جوہری ٹیکنالوجی کے حصول اور انتخابات کے بارے میں تھے۔ صدرِ پاکستان نے اِن تمام امور کی وضاحت کی اور پاکستان کی داخلی اور خارجہ پالیسیوں پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے اس اجلاس کی کارروائی پر مکمل اطمینان کا اظہار کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خواتین وحضرات!

السلام علیکم۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں ہوانا سے واپس آ رہا ہوں۔ میں آپ کو کچھ اہم معاملات کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ آپ کو غیر وابستہ تحریک کی تفصیلی تاریخ یا پس منظر دینے کی ضرورت نہیں۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ اسے ۱۹۶۱ء میں قائم کیا گیا اور اس کے بنیادی تاسیس کنندگان میں سے اب صرف مارشل ٹیٹو زندہ ہیں۔ جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے یہ کانفرنس سپر پاورز کے دونوں بلاکوں میں سے کسی کے ساتھ بھی وابستہ نہیں۔ آپ کو یاد ہی ہوگا کہ ۱۹۶۱ء میں دونوں سپر پاورز اور ان کے وابستگان میں شدید کشیدگی تھی اور سرد جنگ کا منظر تھا۔ اس پس منظر میں عظیم مارشل ٹیٹو نے چند دوسرے سیاستدانوں سے مل کر اس تحریک کا آغاز کیا۔ شروع میں اس کے صرف ۲۵ رکن تھے۔ اس سال پاکستان، ایران اور دوسرے پانچ ممالک کی شرکت سے اس کے ارکان کی تعداد ۹۴ تک پہنچ گئی ہے۔

میں نے ذاتی طور پر ہوانا کانفرنس میں شرکت کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ پاکستان کی رکنیت غیر متنازعہ طور پر تکمیل پائے۔ یہ ایک اہم سیاسی واقعہ تھا کہ پاکستان کی رکنیت کی کسی طرف سے بھی مخالفت نہیں ہوئی۔ میرا دوسرا مقصد یہ تھا کہ جن رہنماؤں نے اس تحریک میں شرکت میں ہماری مدد کی ہے، ان کا ذاتی طور سے شکریہ ادا کروں۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی پالیسیوں کی خصوصاً دو ایک متنازعہ مسائل کے بارے میں وضاحت کرنا چاہتا تھا تاکہ اس بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔ چوتھی اور آخری وجہ یہ تھی کہ میں نے سوچا عالمی رہنماؤں سے رابطے کا یہ ایک اہم وسیلہ ہے۔ اگر سفارتی ذرائع سے ہم چار پانچ سال بھی کوشش کرتے رہتے تو اتنے سربراہانِ مملکت اور اہم عالمی شخصیتوں سے ملاقات نہ ہو پاتی۔

میرے خیال میں یہ تمام مقاصد بخوبی حاصل ہو گئے ہیں۔ یہ اجلاس خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ اقوام متحدہ کے بعد یہ سب سے بڑا فورم ہے۔ اس میں تقریباً تمام ترقی پذیر ممالک شامل ہیں اور ترکی کو چھوڑ کر سبھی اسلامی ممالک اس کے رکن ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تحریک وسیع امکانات کی حامل ہے اور ہم نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ جہاں تک پاکستانی وفد کی کارگزاری کا سوال ہے، کانفرنس کے تین اجلاس ہوئے، پہلا ابتدائی اجلاس تھا جس میں سربراہانِ مملکت اور وفود کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس میں دو کمیٹیاں بنائی گئیں، ایک سیاسی کمیٹی اور ایک اقتصادی کمیٹی۔ دونوں کمیٹیوں میں پاکستان کی بھرپور شرکت تھی اور میرے خیال میں ہماری کارکردگی قابلِ ستائش رہی۔ سیاسی کمیٹی میں مختلف ریزولیوشن اور ترمیمات زیرِ بحث آئیں جن کے بارے میں پاکستانی وفد نے اپنا نقطۂ نگاہ پیش کیا۔ ایک ترمیم جو پاکستان نے پیش کی وہ یروشلم کے مقدّس شہر کی حیثیت کے بارے

میں تھی۔ ہم نے تجویز کیا کہ جو ملک اپنا سفارت خانہ یروشلم میں منتقل کرے اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ اسے کمیٹی میں منظور کیا گیا۔ دوسرا اہم مسئلہ جوہری ٹیکنالوجی کے حصول کا تھا۔ پاکستان نے تجویز کیا کہ ترقی پذیر ممالک کے جوہری ٹیکنالوجی کے حصول میں کسی قسم کا امتیاز نہ برتا جائے اور انہیں یہ حق ملے۔ اسے اقتصادی کمیٹی میں منظور کیا گیا۔ پاکستان نے ایک نئے اقتصادی نظام کی تشکیل کی تجویز بھی پیش کی اور یہ تجویز اتنی اچھی تھی کہ اسے سب نے قبول کیا۔

غیر وابستہ تحریک کی کانفرنس کے مختصراً یہ اہم پہلو تھے۔ اس کانفرنس میں دنیا بھر کے تجربہ کار صحافی جمع تھے۔ کل ایک ہزار صحافی ہوں گے اور ان میں پاکستان کے صحافیوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ سب صحافی حضرات نے اپنے اخراجات پر یہ سفر کیا اور اپنے اپنے اخبارات کو رپورٹیں بھیجنے میں بہت کدوکاوش کا مظاہرہ کیا۔ میں ہوانا میں ان سے تین دفعہ ملا۔ میں پاکستانی صحافیوں کے علاوہ دوسرے صحافیوں سے بھی ملا۔ اس طرح پاکستان کو کافی پبلسٹی ملی۔

ہمیں منفی پہلوؤں کی بجائے مثبت پہلوؤں پر زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔ جب چورانوے ممالک کے نمائندے یکجا جمع ہوں گے تو اختلافِ رائے کا ہونا لازمی ہے، لیکن ہمیں اختلافات پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہیئے۔ ہمیں ان پہلوؤں کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیئے جن کے بارے میں اتفاقِ رائے ہوا۔ اختلافات سے ہی اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ میں جب ہوانا میں تھا تو مجھ سے بہت سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا میرے خیال میں اس تحریک کا کچھ حاصل حصول بھی ہے۔ کل فرینکفرٹ میں بھی مجھ سے یہی سوال پوچھا گیا۔ میرا سنجیدہ تجزیہ ہے کہ غیر وابستہ تحریک بڑے امکانات کی حامل ہے۔ اقوامِ متحدہ کے بعد یہ دنیا کا دوسرا بڑا فورم ہے اور اس کی آواز لازماً مشرق اور مغرب میں احترام سے سنی جائیے

گی اور اس کا اثر ہوگا۔

مختصراً یہ میرے خیالات کا ماحصل ہے۔ اب اس سے بیشتر کہ گفتگو تقریر کی صورت اختیار کرے، میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ جو سوالات پوچھنا چاہیں پوچھیں۔

سوال: غیر جانبدار ممالک کی تحریک میں پاکستان کی شمولیت قابلِ فخر بھی ہے اور یوں قوم نے اس پر مسرت کا اظہار کیا ہے، لیکن اس کے بعد پاکستان کے روس اور امریکہ کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی؟

جواب: غیر وابستگی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ فوجی بلاکوں سے علیحدہ رہا جائے۔ رکن ممالک کی اپنی آزاد پالیساں ہوں اور ان کا بے باکی سے اظہار کیا جائے۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ اس تحریک کا رکن بننے کے بعد پاکستان کے دونوں سُپر پاورز سے تعلقات خراب ہونے کا امکان ہے۔ میری رائے میں غیر وابستہ تحریک کا رکن ہونے کے بعد اس تحریک کے رکن ممالک سے، ہمسایوں سے اور دونوں سپر پاورز یعنی امریکہ اور سوویت یونین سے ہمارے تعلقات خراب ہونے کی بجائے زیادہ بہتر ہوں گے۔

سوال: جناب! آپ صدر ترہ کئی سے بھی ملے۔ کیا اس ملاقات کے نتیجے میں افغانستان سے پاکستان کے تعلقات بہتر ہونے کی توقع ہے؟

جواب: میں صدر ترہ کئی سے ملا۔ پہلے انہوں نے مجھ سے ملاقات کی۔ یہ ان کی عنایت تھی جس کے لئے ہم شکر گزار ہیں۔ ہم نے آزادانہ طور پر گفت و شنید کی جس میں دو طرفہ نوعیت کے باہمی تعلقات زیرِ بحث آئے۔ انہوں نے اپنی مشکلات کا اور ہم نے اپنی دشواریوں کا ذکر کیا۔ میں نے ان سے صاف صاف کہا کہ افغانستان میں اندرونی طور پر ایسے حالات پیدا کرنا ان کا کام ہے جن میں

وہاں کے عوام خود کو محفوظ سمجھیں تاکہ پاکستان میں افغان مہاجرین کثیر تعداد میں نہ آئیں۔ میں نے کہا کہ ایک لاکھ ستر ہزار مہاجرین پاکستان میں آچکے ہیں لیکن ان کے داخلے پر پابندی لگانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہم انسانی ہمدردی کے جذبے سے ان کی دیکھ بھال کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ میں نے صدر ترہ کئی سے کہا کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ یہ مہاجرین واپس اپنے وطن کو لوٹ جائیں تو انہیں اس کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنا ہوگا۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ نہ صرف واپس جانے والوں کے لئے عام معافی کا اعلان کریں گے بلکہ انہیں سب کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کی یقین دہانی بھی کرائیں گے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ آپ ایک ایسے ملک کے صدر ہیں جس کی ننانوے فیصد آبادی مسلمان ہے، اس لئے میری ناچیز رائے میں اسلامی نظام قائم کئے بغیر آپ کے لئے کامیابی کا امکان بہت کم ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بحمد اللہ میں مسلمان ہوں، کلمہ پڑھتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں۔ تسبیح بھی ان کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے کہا کہ فطری بات ہے کہ ہم اسلام کا تحفظ کریں گے، لیکن ہمارا ایک اقتصادی پروگرام ہے۔ اسے آپ سوشلسٹ پروگرام کہہ لیجئے یا اور نام دے دیجئے۔ ہم زرعی اصلاحات کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تو مجبوری ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر مزید تفصیلی گفت گو نہیں ہوئی۔

باہمی روابط پر ہماری تفصیلی گفتگو ہوئی۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ ہمارے مشیرِ خارجہ کے دورۂ افغانستان کے دوران ماحول ناخوشگوار رہا۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ہمارا مشیر موزوں وقت پر کابل جائے گا اور جہاں سے

گفت وشنید کا خاتمہ ہوا تھا، وہیں سے یہ سلسلہ پھر شروع کیا جائے گا۔ میں نے انہیں پاکستان تشریف لانے کی دعوت دی جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا۔ یہ ہے ہماری ملاقات کا مختصر خلاصہ۔ پاکستان میں آنے والے مہاجرین کے مسئلے پر ہم اپنے اصولی موقف پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ دلوں کا راز تو صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، لیکن بظاہر جس طرح سے ہماری گفتگو ہوئی اس سے سنجیدگی، متانت اور سچائی کا اظہار ہوتا ہے۔

سوال: مختلف دفاعی معاہدوں کی رکنیت چھوڑ کر غیر وابستہ تحریک کا رکن بننے کے بعد آپ کے تصور میں اب پاکستان کا کیا کردار ہوگا؟

جواب: یہ کوئی فوری تبدیلی نہیں۔ ۱۹۶۰ء سے ہی جبکہ ہم سینٹو کے رکن تھے، پاکستان کی پالیسی غیر وابستگی کی رہی ہے۔ ہم عربوں اور خصوصاً فلسطین کی تحریکِ آزادی کے پرجوش حامی رہے ہیں۔ ہم نے سپر پاورز کے تنازعات میں کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ ہم ترقی پذیر ملک کی حیثیت سے تیسری دنیا کے ترجمان رہے ہیں۔ جانبداری کے بغیر ہم نے نزاعی معاملات پر آزادانہ طور پر اپنے خیالات اور رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بلاواسطہ طور پر پاکستان عرصہ دراز سے غیر وابستگی کی پالیسی پر گامزن رہا ہے۔ اب ہم براہِ راست غیر وابستہ تحریک ہونے کے ناطے سے آزاد اور خود مختار پاکستان کی حیثیت سے زیادہ قوت سے اپنی آواز بلند کر سکیں گے۔

سوال: جناب، ہوانا سے واپسی کے وقت آپ سے منسوب ایک بیان اخباروں میں آیا تھا کہ آپ نے فرمایا اگر صحیح طریق سے اس کی رہنمائی ہو تو غیر وابستہ تحریک بین الاقوامی معاملات میں ایک طاقت ور آواز بن سکتی ہے۔ کیا آپ ان عناصر کی نشاندہی کریں گے جو اس رہنمائی کے لئے ضروری ہیں؟

جواب: یہ بیان صدر کاسترو سے میری گفتگو کا جزو تھا۔ میرا خیال ہے کہ بین السطور بہت کچھ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، پانچویں سربراہی کانفرنس کے چیئرمین سری لنکا کے صدر جے وردھنے تھے۔ وہ ایک اعتدال پسند سیاست داں کی شہرت رکھتے ہیں۔ کچھ ذہنوں میں خدشات تھے کہ آئندہ تین سال کے لئے صدر کاسترو کے چیئرمین بن جانے سے شاید اس تحریک کا جھکاؤ اشتراکیت اور روس نوازی کی طرف زیادہ ہو جائے۔ یہ صرف خدشات تھے، ان میں حقیقت کوئی نہیں تھی۔ میں کانفرنس کے آغاز میں بھی صدر کاسترو سے ملا اور آنے سے پیشتر بھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ تین سال میں وہ غیر وابستہ تحریک کی صحیح رہنمائی کریں گے اور یہ تحریک بین الاقوامی سطح پر ایک طاقت ور ادارہ کی حیثیت کی حامل ہو گی۔

سوال: کیا آپ کے خیال میں غیر وابستہ تحریک کی رکنیت سے پاکستان کا اسلامی تحریک، اسلامی کانفرنس اور اسلامی سیکرٹریٹ سے تعاون کسی طرح متاثر ہو گا؟

جواب: نہیں، ترکی کے علاوہ اسلامی کانفرنس کے تمام ممبر غیر وابستہ تحریک کے رکن ہیں۔ لہٰذا ان سے تعاون گھٹنے کی بجائے بڑھنے کا امکان ہے، کیونکہ اب ہمارے رابطے میں غیر وابستہ تحریک کے فورم کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس چھٹی سربراہی کانفرنس کے دوران مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ نے علیحدہ میٹنگ کی اور بہت سے مسائل پر مشترکہ موقف اختیار کیا۔ اس لئے اس تحریک کی رکنیت ہمارے تعاون میں سدِّ راہ نہیں بلکہ معاون ثابت

ہو گی۔

سوال : کہا گیا ہے کہ آپ نے مارشل ٹیٹو کو پاکستان آنے کی دعوت دی ہے۔ براہِ مہربانی بتایئے کہ کیا یہ دعوت انہوں نے قبول کر لی ہے؟

جواب : میں نے انہیں دعوت دی۔ انہوں نے اسے قبول فرمایا، لیکن یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ مارشل ٹیٹو ستاسی سال کے ہو چکے ہیں اور اب وہ بہت کم سفر کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان سے عرض کیا کہ میں چونکہ ان سے عمر میں کم اور کچھ زیادہ توانا ہوں اس لئے ہو سکا تو میں پہلے حاضر ہوں گا۔

سوال : جناب جوہری توانائی کے سلسلے میں کیا غیر وابستہ تحریک ترقی یافتہ ممالک سے ترقی پذیر ممالک کے لئے جوہری توانائی کی منتقلی کے لئے کوئی منصوبہ رکھتی ہے؟

جواب : نہیں! جیسا کہ میں نے عرض کیا، کمیٹیوں کے اجلاس میں اس پر بات چیت ہوئی. ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ترقی یافتہ ممالک سے درخواست کی جائے کہ وہ ترقی پذیر ممالک کو بلا امتیاز جوہری ٹیکنالوجی کی منتقلی کریں۔ یہی اس بحث کا خلاصہ تھا۔

سوال : کیا اس مقصد کے لئے کوئی کمیٹی تشکیل دی گئی؟

جواب : میرے پاس اختتامی اجلاس کی کارروائی کی رپورٹ ہے جو میں ابھی پڑھ نہیں سکا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تجویز تسلیم کر لی گئی ہو گی۔

سوال : جناب! آپ نے فرینکفرٹ میں کہا کہ جوہری ٹیکنالوجی کا پروگرام انتخابات سے زیادہ اہم ہے، اس کی وضاحت فرمایئے؟

جواب : ہاں! یہ درست ہے۔

سوال: ہوانا جانے سے پیشتر امریکی سیکریٹری آف سٹیٹس آپ سے نیویارک میں ملے اور انہوں نے آپ کو صدر کارٹر کا ایک خط دیا۔ کیا آپ اس بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب: یہ درست ہے امریکہ کے محکمۂ خارجہ کی طرف سے خیر سگالی کا اظہار تھا۔ یہ میرے خط کے جواب میں تھا جس میں مَیں نے صدر کارٹر کو لکھا تھا کہ پاکستان کا جوہری توانائی کا پروگرام پُرامن مقاصد کے لئے ہے۔ جوہری بم بنانے کا پاکستان کا کوئی ارادہ نہیں۔ صدر کارٹر نے مجھے اس خط کا ابتدائی جواب بھیجا تھا۔ ہم اس کا مطالعہ کر رہے ہیں اور موزوں وقت پر اس خط کا متن شائع کر دیا جائے گا۔

سوال: فرینکفرٹ میں آپ کے رکنے کا کیا مقصد تھا؟

جواب: میں ایک تجارتی ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کر رہا تھا۔ یہ پرواز صبح کے دس بجے فرینکفرٹ پہنچی۔ اس کی روانگی رات دس بجے ہونا تھی۔ اس طرح مجھے فرینکفرٹ میں پورا دن رکنا پڑا۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں جرمنی میں رہنے والے پاکستانیوں سے ملا۔ جرمنی کی وفاقی حکومت نے مجھے سرکاری مہمان قرار دیا اور ان کے چند افسران سے بھی ملاقات ہوئی۔ بہت مفید دن گزرا۔ بس یہی اس کا پس منظر ہے۔

سوال: جناب! آپ نے انتخابات کے سلسلے میں مثبت نتائج کا ذکر کیا ہے۔ مثبت نتائج سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب: کچھ اقدامات جو ہم نے کئے ہیں، ہمیں امید ہے ان کے نتائج مثبت ہونگے۔

سوال: شیعہ اور سُنّی مسالک میں نفاذِ زکوٰۃ کے سلسلے میں مشکلات کب تک دُور کر دی جائیں گی؟

جواب: انشاءاللہ بہت جلد، اور یہ کام مثبت انداز میں کیا جائے گا۔

آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ کی تقریبِ انعامات سے خطاب

۱۶ ستمبر ۱۹۷۹ء

آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ (جی۔ ایچ۔ کیو) راولپنڈی کے زیرِ اہتمام جی۔ ایچ۔ کیو لیکچر ہال میں اچھے نتائج دکھانے والے اساتذہ کو انعام دینے کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں کنٹونمنٹ کے تعلیمی ادارے شریک ہوئے۔ انعام پانے والوں میں اساتذہ، کلرک، قاصد اور خاکروب شامل تھے۔ پانچ خواتین کو جن کے شوہر دورانِ ملازمت وفات پا گئے تھے، انعام میں سلائی کی مشینیں اور نقد انعامات دیئے گئے۔ ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن، بریگیڈیئر نصیر احمد نے اپنے سپاسنامے میں کہا کہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریب ہے جس میں طلبا کی بجائے اساتذہ کو انعام دیئے جا رہے ہیں۔

صدرِ پاکستان نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ اساتذہ کی کارکردگی کا اندازہ طلبا کے کردار سے ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اساتذہ کو اپنا فرض مِشن سمجھ کر ادا کرنا چاہیئے تاکہ وہ ایک مشنری نسل تیار کر سکیں جو ملک کے روشن مستقبل کی ضمانت دے سکے۔ انہوں نے اساتذہ کو قومی لباس اور اسلامی انداز اپنانے کی تلقین کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

معزز حاضرین!

السلام علیکم۔ پہلے طالب علموں کو انعام ملا کرتے تھے، اب بریگیڈیئر نصیر نے اساتذہ کو انعام دینے کی روایت قائم کر دی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اساتذہ اس وقت تک صحیح معنوں میں طلبا اور طالبات کی ویلفیئر کا خیال نہیں رکھ سکتے جب تک خود ان کی ویلفیئر کا خیال نہ رکھا جائے۔ مجھے اس خیال سے اتفاق ہے اور اسی خیال کی تائید میں آج یہاں حاضر ہوا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسی خیال کی آڑ میں ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ کے لئے انعامات کا سلسلہ نہ شروع کر دیا جائے اور یہ دلیل دی جائے کہ جب تک ایجوکیشن والوں کی ویلفیئر کا خیال نہیں رکھا جائے گا، وہ اپنے ٹیچرز کی ویلفیئر کا خیال نہیں رکھ سکیں گے۔

آج جن پرنسپلوں، ہیڈ ماسٹروں اور دیگر اساتذہ کو اعلیٰ تعلیمی نتائج دکھانے پر انعامات دیئے گئے ہیں وہ یقیناً داد و تحسین کے مستحق ہیں، کیونکہ موجودہ حالات

میں تعلیمی اداروں میں نظم ونسق قائم رکھنا اور اعلیٰ تعلیمی نتائج دکھانا بہت کٹھن کام ہے۔ حکومت کی خواہش اور کوشش ہے کہ ملک کے تمام تعلیمی اداروں میں سازگار ماحول قائم کیا جائے تاکہ اساتذہ اور طلبا پوری یکسوئی کے ساتھ تعلیم پر توجّہ دے سکیں۔ اس سلسلے میں حکومت اور انتظامیہ پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کا مجھے احساس ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں اساتذہ بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر اساتذہ مؤثر طور پر طلبا پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ درسگاہوں سے ہنگامہ آرائی اور غنڈہ گردی کا مکمّل طور پر صفایا نہ کیا جا سکے۔ اگر کوئی استاد سمجھتا ہے کہ اس کا اپنے طلبا پر کوئی اثر نہیں ہے تو وہ میری نظروں میں سراسر ناکام اور بیکار استاد ہے، جس کا تعلیمی ادارے کو کوئی فائدہ ہے نہ معاشرے کو۔ استاد طالب علموں کے روحانی باپ اور تعلیمی راہنما ہوتے ہیں اور اچھے اور قابل استاد آج بھی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آج کی اِس محفل میں بھی کئی استاد موجود ہوں گے جنہیں آج بھی وہی مقام حاصل ہے جو پرانے زمانے میں اساتذہ کو حاصل تھا۔ عزّت و احترام گریڈوں اور الاؤنسوں سے نہیں، عظمت کردار اور اپنے پیشے سے لگن سے حاصل ہوتا ہے اور یہ وہ نکتہ ہے جو مجھ سے زیادہ آپ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

تعلیمی انحطاط کے اس دور میں اعلیٰ تعلیمی نتائج حاصل کرنا قابلِ ستائش ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اچھے استاد کا کام صرف اچھے نتائج دکھانا ہی نہیں بلکہ نئی نسل کی تعمیر کرنا ہے۔ میرے خیال میں اگر کسی تعلیمی نظام یا اس کے اساتذہ کی اچھائی یا برائی کا اندازہ لگانا ہو تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں تعلیم حاصل کر کے پروان چڑھنے والی نسل کو دیکھ لیجیے۔ اگر نسل صحیح معنوں میں نظم و ضبط کی

پابند ہے، اپنے قومی نظریے سے دلی وابستگی رکھتی ہے اور اسلام کی سماجی اور اخلاقی اقدار کی علمبردار ہے تو سمجھ لیجئے کہ اساتذہ نے ان کی صحیح تربیت کی ہے۔ اس کے برعکس اگر ان میں بے راہروی، افراتفری، غنڈہ گردی اور تخریب کاری کے رجحانات پائے جاتے ہیں تو بلا جھجک فیصلہ کر لیجئے کہ ان کی تربیت غلط ہاتھوں میں ہوئی ہے۔

مجھے معلوم ہے بچّوں کی تربیت پر اساتذہ کے علاوہ والدین، معاشرے، نظامِ تعلیم اور دیگر کئی عناصر کا گہرا اثر ہوتا ہے، لیکن اساتذہ کی اس محفل میں، میں اساتذہ کے رول پر زیادہ زور دینا چاہتا ہوں کیونکہ میں تہہ دل سے سمجھتا ہوں کہ اگر اساتذہ اپنے کام کو ایک مشن کے طور پر اپنائیں تو وہ یقیناً ایک مثبت نسل تیار کر سکتے ہیں جو ملک کے روشن مستقبل کی ضمانت دے سکتی ہے۔

حاضرین! یہ تعلیم کے مقاصد پر لمبی چوڑی تقریر کرنے کا موقع نہیں کیونکہ اس کا بنیادی مقصد ان اساتذہ اور عملے کے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جنہوں نے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ لہٰذا میں آج تمام انعام پانے والے حضرات اور خواتین کو مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی اپنی اعلیٰ کارکردگی قائم رکھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی پذیرائی سے دیگر اساتذہ اور عملے میں بھی آگے بڑھنے اور امتیاز حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

میں ایمپلائز ویلفیئر فنڈ سے انعامات دینے کا یہ سلسلہ شروع کرنے پر آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ کو داد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس روایت کو احسن طریقے سے جاری رکھا جائے گا۔

پاکستان پائندہ باد

آرمی ایوی ایشن کی گریجوئیشن پریڈ سے خطاب

۱۹ ستمبر ۱۹۷۹ء

راولپنڈی کے نزدیک دھمیال میں قائم آرمی ایوی ایشن بیس کے مقام پر آرمی ایوی ایشن کی گریجوئیشن پریڈ منعقد ہوئی جس میں کامیاب گریجوئیٹس کو اسناد تقسیم کی گئیں۔ کیپٹن داؤد احمد کو فکسڈ ونگ کورس اور میجر محمد اشرف چوہدری کو روٹری ونگ کنورشن کورس میں بہترین آل راؤنڈر ہونے کی حیثیت سے ٹرافی دی گئی۔ پرواز میں بہترین گریڈ حاصل کرنے پر لیفٹیننٹ شید ایوسف اور میجر محمد اشرف چوہدری کو تمغے عطا کئے گئے۔

اپنے خطاب میں صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاءالحق نے کامیاب ہونے والے ہوابازوں کو مبارکباد پیش کی اور جنگ اور امن کے زمانے میں آرمی ایوی ایشن کے اہم کردار کو نمایاں کیا۔ انہوں نے آرمی ایوی ایشن سکول کے معیار کو سراہتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ نہ صرف فوج، بحریہ اور فضائیہ کی ضروریات بطریق احسن پوری کر رہا ہے بلکہ بعض برادر ممالک کو بھی تربیت کی سہولتیں فراہم کر رہا ہے۔

تقسیم اسناد کی تقریب کے بعد ہوابازی کے کرتبوں کی شاندار نمائش ہوئی جس میں اجتماعی اور انفرادی پرواز کے کرتب شامل تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قاسم آرمی ایوی ایشن بیس کے کمانڈنٹ، بریگیڈیئر مقیت،
آرمی ایوی ایشن سکول کے کمانڈنٹ، کرنل حامد،
مہمانانِ گرامی
اور
معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ مجھے ایوی ایشن سکول کی گریجوئیشن پریڈ کا معائنہ کر کے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ پچھلے چند سالوں میں آرمی ایوی ایشن نے خود اعتمادی اور اعلیٰ کارکردگی کا جو معیار قائم کیا ہے اس کے لئے آرمی ایوی ایشن سکول اور دوسرے تمام متعلقہ ادارے داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ مَیں اس کارکردگی پر سکول کے کمانڈنٹ اور انسٹرکٹرز کو مبارک باد دیتا ہوں۔

میرے لئے یہ بات اطمینان اور خوشی کا باعث ہے کہ آرمی ایوی ایشن نہ صرف

فوج کی ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کر رہی ہے بلکہ نیوی، ایئر فورس اور بعض برادر ممالک کو بھی تربیّت کی سہولتیں مہیّا کر رہی ہے۔ اِس تربیّت کے معیار سے سبھی مطمئن ہیں اور اس ادارے کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس محنت، لگن اور جانفشانی پر مَیں ایوی ایشن سکول کے کمانڈنٹ اور انسٹرکٹرز کو مبارک باد دیتا ہوں۔ انہوں نے مشکلات کے باوجود جو اعلیٰ نتائج حاصل کئے ہیں وہ ان کی حُبّ الوطنی اور جذبۂ خدمت کی غمازی کرتے ہیں۔

اگر پاکستان آرمی ایوی ایشن کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ماہ و سال کے حساب سے یہ بہت مختصر نظر آتی ہے، لیکن اس کی کارکردگی دیکھی جائے تو وہ کسی بھی کُہنہ مشق اور تجربہ کار ایوی ایشن سے کم نہیں۔ آرمی ایوی ایشن کو زمانۂ امن اور زمانۂ جنگ میں بڑے اہم اور نازک مشن سونپے گئے اور اس نے ہمیشہ فوج اور قوم کی توقعات کو پورا کیا۔ اس قومی خدمت میں جن بہادروں نے اپنی جانیں قربان کیں ہیں اُن کی عظمت کو سلام کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

آرمی ایوی ایشن کو اپنے موجودہ فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ مستقبل پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔ یہ بات واضح ہے کہ مستقبل کی جنگوں میں ہلکے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کو پہلے سے زیادہ اور اہم کردار ادا کرنا پڑے گا جس کے لئے آج سے تیاری کرنا ہوگی۔ اس تیاری میں صرف ہوا بازوں کی تربیت اور جدید ہیلی کاپٹروں کی خریداری ہی شامل نہیں، بلکہ اس میں روز بروز سامنے آنے والی سائنسی اور تکنیکی معلومات بھی ہیں جن سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے کیونکہ ان کے بغیر جدید تقاضوں کو پورا کرنا ممکن نہیں۔

جدید جنگوں میں آرمی ایوی ایشن کو ایک لڑاکا شعبہ یا FIGHTING ARM
کے طور پر زیادہ سے زیادہ فرائض سونپے جا رہے ہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے اعلیٰ فنی مہارت اور بے مثال جذبۂ خدمت درکار ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ایوی ایشن کے سکول میں ان اوصاف کو اجاگر کرنے پر پوری توجہ دی جا رہی ہے۔

جنگی محاذ پر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایوی ایشن اور دوسرے شعبوں خاص کر GROUND FORCES کے درمیان اعلیٰ ترین رابطہ ہو، کیونکہ جنگ ایک عضو یا چند اعضاء کی جنگ نہیں ہوتی بلکہ اس میں جسم و جان کی ساری قوت صرف ہوتی ہے اور یہ قوت اُسی صورت میں کارگر ثابت ہو سکتی ہے جب تمام قویٰ مل کر مؤثر انداز میں اپنا کردار ادا کریں۔

جنگ کے علاوہ زمانۂ امن میں بھی آرمی ایوی ایشن کی ذمہ داریاں بڑھتی جا رہی ہیں جن کے لئے آپ کو تیار رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ آپ نے ماضی میں دیکھا، سیلاب، زلزلے یا کسی اور آسمانی آفت سے نمٹنے کے لئے جن اداروں کو سب سے پہلے مدد کے لئے پکارا جاتا ہے ان میں آرمی ایوی ایشن شامل ہے۔ اس کے ہوا باز نہ صرف متاثرہ علاقوں پر پرواز کر کے بروقت صحیح معلومات حاصل کرتے ہیں، بلکہ فوری طور پر امدادی سامان پہنچانے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، لیکن اگر کبھی ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے تو قوم بجا طور پر توقع رکھے گی کہ آرمی ایوی ایشن اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا ایک بار پھر بھرپور مظاہرہ کرے گی۔

گریجویشن پریڈ کے اہم موقع پر میں ہلکے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کی

اہمیت اور افادیت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ دوسرے اہم جنگی سازوسامان کی طرح یہ مشینیں بھی بڑی مشکل سے ملتی ہیں اور ان پر بھاری زرِمبادلہ خرچ ہوتا ہے، اس لئے ان کے استعمال اور دیکھ بھال میں خاص احتیاط اور لگن کی ضرورت ہے۔ بہتر نگہداشت، زیادہ توجہ اور محتاط استعمال سے یہ مشینیں زیادہ عرصے تک آپ کے کام آسکیں گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان مشینوں کو ایک قابلِ قدر قومی سرمایہ سمجھتے ہوئے ان کا خاص خیال رکھیں گے۔

آخر میں، میں کامیاب ہونے والے ہوابازوں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی اس تربیت کو کامیابی سے پورا کر کے ہوابازوں کے ممتاز اور قابلِ احترام پیشے میں قدم رکھا ہے۔ جن ہوابازوں نے تربیت کے دوران بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور انعامات حاصل کئے وہ بھی شاباش کے مستحق ہیں۔ اس یادگار موقع پر میں انہیں اپنی اضافی ذمہ داریوں کا احساس دلانا اور ان پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس پیشے کے تقاضے بڑے سخت، نازک اور صبر آزما ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ایک اچھے مسلمان، ایک اچھے مجاہد اور اچھے ہواباز کی طرح اپنی ذمہ داریاں قبول کریں گے اور اس کے جملہ تقاضے پورا کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

میں ایک بار پھر قاسم بیس کے کمانڈنٹ اور آرمی ایوی ایشن سکول کے کمانڈنٹ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے آج کی تقریب میں بُلا کر آپ سے مخاطب ہونے کا موقع دیا۔ مجھے امید ہے کہ آرمی ایوی ایشن اپنی اعلیٰ روایات کو ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کرے گی۔

پاکستان پائندہ باد

کراچی کے شہریوں سے خطاب

۲۰ ستمبر ۱۹۷۹ء

عوامی رابطے کی مہم کے سلسلے میں صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاالحق نے گورنر ہاؤس کراچی میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے خواتین و حضرات کے ایک نمائندہ اجتماع سے خطاب کیا۔ انہوں نے بڑے بے تکلّفانہ انداز میں اِس اجتماع سے بے لاگ باتیں کیں اور اندرونی معاملات بشمول امن و امان، رشوت، خواتین کے حقوق و فرائض اور بلدیاتی انتخابات کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ انہوں نے پاکستان کے خارجہ تعلقات خصوصاً جوہری توانائی کے حصول کے خلاف صیہونی لابی کے معاندانہ پروپیگنڈے کی طرف بھی حاضرین کی توجہ دلائی اور اس بات پر زور دیا کہ پاکستان کا جوہری پروگرام کُلیتہً پُرامن مقاصد کے لئے ہے کیونکہ پاکستان کے توانائی حاصل کرنے کے ذرائع محدود ہیں اور تیل کی درآمد پر کثیر زرِ مبادلہ خرچ ہو رہا ہے۔

تقریر کے بعد صدرِ پاکستان نے حاضرین کی شکایات سنیں اور ان پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

جناب جنرل اسلم صاحب، قائم مقام گورنر سندھ

اور

معزز خواتین و حضرات !

السلام علیکم ۔ مجھے کراچی آئے ہوئے کچھ عرصہ ہو گیا تھا ۔ اس لئے میں نے یہ پروگرام بنایا تا کہ آپ حضرات کے ساتھ کچھ گفتگو کا موقع ملے اور حالات کا جائزہ لیا جائے ۔ آپ کو میں چند چیزوں کے متعلق مطلع کروں اور جن کا علم مجھے نہیں ہے اُن کے بارے میں آپ مجھے بتائیں ۔ سب سے پہلے میں اندرونی حالات کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ اندرونی حالات اللہ تعالیٰ کے فضل سے اتنے زیادہ خراب نہیں، لیکن یہ بھی کہنا غلط ہو گا کہ حالات بالکل ٹھیک ہیں ۔ خواہ آپ کہہ لیجئے کہ اخبارات میں ایسی خبریں شائع زیادہ ہوتی ہیں، خواہ یہ کہہ لیجئے کہ جب کوئی اس قسم کی واردات ہوتی ہے تبھی اس کی خبر آتی ہے، لیکن یہ مسلّمہ بات ہے کہ جرائم میں کمی نہیں شاید کچھ اضافہ ہی ہوا ہے ۔ اس کی کئی وجوہات ہیں

اور اس بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، لیکن جہاں تک میرا اور ان لوگوں کا تعلق ہے جو اس وقت اقتدار میں ہیں یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ نہ صرف چادر اور چار دیواری کا تحفظ کیا جائے بلکہ ملک میں امن وامان کی صورت ایسی ہو کہ لوگوں کو ہر حالت میں ہر چیز کا تحفظ حاصل ہو۔ خواہ اس کا جان ومال سے تعلق ہو، خواہ غنڈہ گردی سے حفاظت۔ میں اس سلسلے میں صرف ایک بات کی طرف نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔ چوری کی وارداتیں اسی لئے ہوتی ہیں کہ یا تو بھوک یا غربت اتنی زیادہ ہو کہ چوری کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو یا پھر عادتاً۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ملک میں مہنگائی ہے، افراطِ زر ہے، لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔ آپ اگر برصغیر کے کسی اور شہر میں جائیں جس کا تعلق پاکستان کے ساتھ نہیں ہے تو آپ کو فٹ پاتھ پر ننگے بھوکے انسان نظر آئیں گے، لیکن اسے آپ اچھی بات سمجھیں یا کمزوری کہ پاکستان میں لوگ لٹھے کی بجائے کے ٹی پہنتے ہیں۔ میں یہ متوسّط طبقے کا ذکر نہیں کر رہا بلکہ نچلے طبقے کا ذکر کر رہا ہوں۔ آپ کراچی کے سینما ہاؤسز میں جا کر جائزہ لے لیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ فلم نئی ہو یا پرانی، لوگوں کا ہجوم ہو گا حالانکہ سینما کا ٹکٹ کافی مہنگا ہے۔ اس کے علاوہ آپ سیر وتفریح کے مقامات پر یا بازاروں میں جا کر دیکھ لیجئے۔ ہر جگہ رونق ہے۔ کیا اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان ایک بھوکا ننگا ملک ہے؟ اس لئے میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ چوری کے واقعات اور وارداتیں اس لئے زیادہ ہو رہی ہیں کہ غربت ہے یا لوگوں میں بھوک ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جرائم کے سدِباب کا انتظام ٹھیک نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی نے چوری کی ہے اور شرعی حدود کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے

تو پھر یہاں کراچی شہر کے اندر اگر زرگروں کی یا دوسری دکانیں کھلی بھی رکھی جائیں تو کوئی کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اب آپ مجھ سے یہ کہیں گے کہ شریف آدمی، عنانِ حکومت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم پاکستان کے صدر ہو۔ تمام اختیارات تمہارے پاس ہیں۔ شریعت کے احکام کو جاری کیا ہے تو پھر آپ ان برائیوں کا سدّباب کیوں نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں میری گزارش یہ ہے کہ اگر ۵ جولائی کو یا ۵ جولائی کے بعد یا اس سال ۱۲ ربیع الاوّل کو میں یہ کہہ دیتا کہ پاکستان میں ہم ایک انقلاب لائے ہیں، آج کے بعد جس شخص نے چوری کی اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، جس شخص نے زنا کیا اُسے سنگسار کیا جائے گا، کسی شخص نے بغاوت کی اس کا گلا کاٹ دیا جائے گا تو پھر سخت گیری کے اعتراضات شروع ہو جاتے۔ آپ اپنے پڑوسی ملکوں کا جائزہ لیجئے کہ اس قسم کے حالات کو درست کرنے کے لئے وہاں کس قسم کے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ہم نے جس وقت اپنے حالات کا جائزہ لیا اور صاحب الرائے احباب سے مشورہ کیا کہ نظامِ اسلام کا نظامِ قانون نافذ کرنے کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا جانا چاہیئے، تو تمام حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ ہمارا ایک طریقۂ قانون مروّج ہے۔ ہماری عدلیہ ایک اور قانون کے تحت انصاف کرتی ہے جس پر لوگوں کو کچھ اطمینان بھی ہے۔ اس لئے اسلامی شرع کے مطابق بھی اسلام کا قانون نافذ کرنے کے اختیارات ان کے سپرد کر دیجئے۔ ہم نے ایسا ہی کیا لیکن بدقسمتی سے اس کے نتائج وہ نہیں نکلے جس کی ہمیں توقع تھی اس میں عدلیہ کا بھی کوئی قصور نہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں اور اس کے خلاف اور اس کے حق میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ میں نے چوری اور دوسرے جرائم بڑھنے کا ذکر

کیا ہے۔ آج سے چودہ سال پہلے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے کا بھی اگر آپ جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زیادہ تر اقدامات اصلاحِ کردار کے لئے تھے۔ لوگوں سے فرمایا کہ جھوٹ مت بولو، چوری مت کرو، دوسری قسم کی ممنوع حرکات مت کرو، نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ آپ دیکھئے کہ ہر شخص کو فرداً فرداً اپنے اعمال صحیح کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جس وقت یہ پہلا مرحلہ حل ہو گیا، پھر مدنی زندگی میں جایئے۔ قرآنِ مجید کا مطالعہ کیجئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشادات پر غور کیجئے۔ خلفائے راشدین کے دور کا جائزہ لیجئے۔ ان میں اصلاحِ معاشرہ کی طرف زیادہ توجّہ دی گئی۔ مومنوں کو آپس میں مل جل کر رہنے، اختلاف سے بچنے اور امن واتحاد سے رہنے کی تلقین کی گئی۔ بتایا گیا کہ اگر تم اکٹھے رہو گے تو یہ فائدے ہیں اور اگر منتشر ہو گئے تو یہ نقصانات ہیں۔ پھر لوگوں سے یہ کہا گیا کہ اپنے غربا کی اس طریقے سے مدد کیجئے۔ معاشرے کی اصلاح میں فرد کا کردار بہت زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اصلاحِ معاشرہ کی دو ممکن صورتیں ہوتی ہیں۔ یا تو ایسے سخت اقدامات کئے جائیں کہ اس کے ڈر کی وجہ سے تھوڑے عرصے کے لئے حالات صحیح ہو جائیں یا پھر یہ کوشش کی جائے کہ ہر فرد کے کردار کی اصلاح ہو تاکہ مجموعی طور پر معاشرہ صالح ہو سکے۔ ہم نے دوسرا راستہ اپنایا جو طویل ضرور ہے، لیکن اس کے نتائج دیرپا ہوتے ہیں، ورنہ میرے سامنے ایران کا بھی نقشہ موجود ہے۔ افغانستان کا بھی نقشہ موجود ہے۔ ایتھوپیا کا نقشہ موجود ہے۔ کیوبا سے میں اب ہو کر آیا ہوں۔ وہاں ۲۲ سال پہلے کیا ہوا ہے۔ یہ تمام تاریخ ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہم تشدد کا راستہ بھی اپنا سکتے تھے، لیکن ہم نے اسلامی نظام رائج کرنے کے لئے تدریج کا راستہ اختیار

کیا ہے۔

اب تو ماشاءاللہ پاکستان کی تیسری نسل وجود میں آچکی ہے اور بہت سے لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ پاکستان کیوں بنا تھا۔ جہاں یہ کہنے میں مجھے فخر ہے کہ ہماری موجودہ نئی پود کے اندر جذبۂ ایمان کی کوئی کمی نہیں وہاں نوجوان نسل میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کی صورت میں ایک علیحدہ ملک بنانے کی کیا ضرورت تھی، اسے ہندوستان کا ایک علیحدہ صوبہ بنا لیتے۔ پچھلے دنوں چند جوانوں طالب علموں نے سوال جواب کے دوران مجھ سے پوچھا ہے کہ آپ بتایئے کہ پاکستان آپ کے خیال کے مطابق قائم بھی رہے گا یا اس کو اغیار ہڑپ کر جائیں گے اور آپ سربراہِ مملکت کی حیثیت سے حفاظتی اقدامات کیجئے۔ دوستوں کے سامنے ہاتھ پھیلایئے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں پکڑیئے تاکہ پاکستان کو کسی قسم کا خدشہ نہ ہو۔ لیکن میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ جذبات اور چیز ہیں حقیقت اور چیز ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ جس نظریاتی ملک کا نظریۂ حیات ختم ہو گیا تو وہ قائم نہیں رہ سکتا۔ پاکستان کا نظریۂ حیات اسلام ہے۔ اگر آپ دین کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں گے تو انشاءاللہ پاکستان مستحکم ہو گا۔ جس روز ہمارے دماغوں پر یہ خبط سوار ہو گیا کہ مذہب علیحدہ ہے اور سیاست علیحدہ ہے، دین علیحدہ ہے، دنیا علیحدہ ہے اور ہمیں سیکولرزم کی طرف جانا چاہیئے تو پھر سمجھ لیجئے کہ پاکستان کی عمارت میں خود بخود دراڑیں پیدا ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہم نے جو اسلامی قوانین رائج کئے تھے اُن کا مثبت پہلو یہ تھا کہ ہم نے تعزیرات کے پہلو کو عدلیہ کے ہاتھوں میں دے دیا۔ عدلیہ سے یہ توقع تھی کہ وہ اس سلسلے میں جلد اقدامات کرے گی، لیکن

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں عدلیہ کے اندر بھی بہت سے قوانین ایسے ہیں جن میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ اور انصاف کا جو طریقۂ کار ہے اُس کے اندر بہت زیادہ ایسے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے جس سے اُس کے صحیح پہلو اجاگر ہوں۔ ہمارے ہاں اپیل کا جو سلسلہ ہے اس میں بہت سے نقائص ہیں۔ اگر آپ قانون دانوں سے بات پوچھیں تو وہ کہیں گے کہ تحفظِ انسانی کا حکم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی کیا تھا، آپ اُس کو کیسے ہٹا سکتے ہیں۔ ایک آدمی کو آپ نے سزا دی ہے۔ جب تک آپ اس کو اپیل کا حق نہیں دیں گے اس کا تحفظ نہیں ہوگا اور اپیلیں مہینوں پڑی رہتی ہیں۔ اس پس منظر میں ہم نے اسلامی نظام کو چلانے کی کوشش کی ہے۔ جب تک شریعت کے مطابق چوری کے متعلق کم از کم دو شہادتیں ایسی نہ ہوں جن پر صحیح معنوں میں اعتبار کیا جا سکتا ہو، اُس وقت تک سزا نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ جج کہتا ہے کہ یہ شرط پوری نہیں ہوئی۔ اس کو دو سال کی سزا دی جاتی ہے یا دو ہزار روپے جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اب خواتین وحضرات، میرا ایمان ہے کہ پاکستان میں جو استحکام آئے گا یا اسلامی نظام رائج ہوگا وہ گردنیں کاٹنے اور خون بہانے سے نہیں آئے گا۔ جب تک کردار درست نہیں ہوں گے اس وقت تک یہ چیز نہیں آسکتی۔ میں اس کا کوئی کریڈٹ نہیں لے رہا ہوں، لیکن اس پر ضرور فخر محسوس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر گزار ہوں کہ اس نے ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق عطا کی۔ ۵ جولائی سے پہلے بھی آپ دیکھ لیجئے اور ۵ جولائی کے بعد بھی دیکھ لیجئے۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اگر اور کچھ نہیں تو میں اور آپ اسلام کا نام تو لے سکتے ہیں۔ آپ نے مجھے اتنی اجازت تو دی ہے کہ پچھلے ڈھائی برس سے اسلام کی بات تو کر رہا ہوں ورنہ میں نے وہ زمانہ بھی

دیکھا ہے کہ لوگوں نے اسلام کا نام لیا اور نعرے لگنے لگے کہ اسلام تو صرف مسجد کے اندر ہے۔ سوشلزم ہمارا ایمان ہے۔ روٹی کپڑا اور مکان بھی ہم دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اگلے جہان میں دیں گے۔ میرے خیال میں اللہ تعالیٰ نے ہم پہ کچھ فضل کیا ہے۔ کچھ ہمیں جھنجھوڑا بھی ہے کہ دیکھو پاکستان کے مسلمانو کچھ اپنا رویہ ٹھیک کر لو ورنہ میں تمہارے ساتھ وہ سلوک کر سکتا ہوں جو میں نے بہت سی پہلی قوموں کے ساتھ کیا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ صحیح معنوں میں ہر شخص اپنا اپنا عمل ٹھیک کرے اور اپنے قصبہ، اپنے گاؤں، اپنے قبیلہ، اپنے محلّہ، اپنے گھر یا اپنے خاندان کے دائرۂ کار میں ہم سب یہ کوشش کریں کہ صحیح معنوں میں ہم سب مسلمان بنیں۔ اس سے میرے خیال میں اسّی فیصد پیچیدگیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ دوسری بیس فیصد کے لئے کچھ سختی کرنی ہو گی۔

مجھے لوگوں نے کہا کہ جناب جنرل صاحب آپ نے ایک تقریر کی تھی کہ میں نے ماں سے یہ سیکھا ہے، باپ سے یہ سیکھا ہے۔ ہم نے ماں کی جو خاصیتیں ہیں بہت دیکھی ہیں، دو سال ہو گئے ہیں، اب ذرا باپ کی خاصیتیں بھی تو دکھایئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ فوری سختی کی ضرورت ہے لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم نے ۵ جولائی کو جو اقتدار اس لئے سنبھالا تھا کہ دو پارٹیاں جو آپس میں دست و گریباں ہیں انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ نئی حکومت آئے گی وہ اپنا طریقۂ کار استعمال کرے گی۔ ہم نے تو الیکشن کروائے اور چھٹی۔ اس نظریے کے ساتھ ہم آئے تھے۔ لیکن دل کے اندر یہ تمنا بھی تھی کہ یہ جو نظام مصطفےٰ کی تحریک چلی ہے، مارچ ۷۷ء سے لیکر جون کے آخری مہینے تک، اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی کچھ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے

مسلمانوں کے جذبے کو پھر اُبھارا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے یا میرے رفقا کو یا اور مسلمانوں کو توفیق دے تو شاید ہم اس ملک میں اس قسم کا اسلامی نظام رائج کرسکیں جس کی تمنا کے ساتھ یہ ملک بنا تھا، لیکن جس وقت ہم نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ سارا کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہے۔ چونکہ اسلام کے نظریے کے مطابق بھی اور پاکستان کے آئین کے مطابق بھی عدلیہ کا مقام سب سے زیادہ اونچا ہے، اس لئے ہم نے اپنے آپ کو عدلیہ کے سپرد کر دیا۔ عدلیہ نے جو فیصلہ دیا ہے، ہم اس پر کاربند ہوئے اور اس کی وجہ سے سختی نہیں ہو سکی۔ ایک شخص نے ایک بیوہ کے مکان پر قبضہ کرلیا۔ اس کا مکان عدالتی کارروائی کے بغیر خالی نہیں کرایا جا سکتا اور عدالتی کارروائی میں وقت لگتا ہے بعض اوقات کافی تاخیر ہو جاتی ہے۔

لوگ کہتے ہیں پولیس رشوت لیتی ہے۔ رشوت ستانی ہر کہیں ہے۔ آپ پی آئی اے، ریلوے یا بسوں کے اڈوں پر چلے جائیے۔ سب سے پہلے مُٹھی گرم کیجئے، پھر ٹکٹ لیجئے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ جب کسی شخص کو کوئی کام بہت جلدی یا غلط کام کروانا ہوتا تو وہ رشوت دیتا تھا۔ آج بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسی ہوا چلی ہے کہ آدمی اپنا جائز کام کروانے کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہے حالانکہ سرکاری ملازمین اور اُس شخص سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ قوم کا روپیہ لے رہے ہیں، تنخواہ لے رہے ہیں، اپنا فرض ادا کریں گے اور حلال کی روزی کھائیں گے، لیکن جائز کام کروانے کے لئے بھی حرام کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ آپ ایک شخص کو پکڑتے ہیں کہ اس نے رشوت لی۔ ثبوت آپ کے پاس موجود ہے، لیکن وہ STAY ORDER لے آئے گا اور کوئی اس کا کچھ نہیں کر سکتا۔ ہمارے قوانین ہی اس قسم کے ہیں۔ ہم نے انہیں بدلنے کی کوشش نہیں کی ہے،

صرف اس لئے کہ کم از کم ایک ایسے شعبے کا اعتبار اور وقار قائم رہے، لیکن کوئی ایسا ادارہ بھی ہے جہاں ہر کسی کی داد رسی ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ سو میں سے ایک ایسا شخص ہو جو کہ گنہگار نہ ہو بلکہ بالکل معصوم ہو۔ اگر اُس کو عدلیہ کا دروازہ کھٹکھٹانے سے انصاف مل جاتا ہے تو میرے خیال میں ہمیں اللہ تعالیٰ اس چیز پر ضرور معاف کریں گے کیونکہ ہماری نیت صاف ہے۔ مجھے ان باتوں کا علم ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ تو چار دیواری کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں، باہر نہیں نکلتے میں نے گورنر ہاؤس میں یہ اجتماع کیا ہے۔ لوگوں کے ساتھ میرا اتنا رابطہ ہے کہ کم از کم مجھے حالات کا علم ضرور ہے میں جانتا ہوں کہ رشوت ستانی ہمارے ہاں موجود ہے۔ دفاتر میں کام کی رفتار سست ہے۔ جہاں ایک آدمی ہونا چاہیئے وہاں دس دس بھرتی کیئے گئے ہیں۔ ہم نے کسی کو نکالا نہیں، لیکن انتظامیہ اور سرکاری ملازمین سے ہماری توقع یہ تھی کہ وہ صحیح کام کریں گے۔ انہوں نے سوچا کہ یہ مارشل لا والے آگئے۔ یہ تو نوّے دن کی بات کر رہے ہیں۔ ان کا ساتھ کیا دینا ہے۔ اگلے کرنے والے بادشاہ کا خیال کریں گے۔ اس توقع پر انتظامیہ دوراہے پر کھڑی دیکھ رہی ہے کہ ادھر چھلانگ لگائے یا ادھر، اور اس دوران چند راشی اپنی جیبیں گرم کر رہے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ عجیب آدمی ہے۔ اس کو سب چیزیں معلوم ہیں، پھر بھی کچھ نہیں کر رہا۔ اس کا میں آپ کو ایک نکتہ بتا رہا ہوں کہ ہماری جو کمزوری ہے وہ شرافت ہے۔ سختی کی ضرورت ہے، لیکن سختی کے جو راستے ہیں وہ ہمارے لئے بند ہیں۔ اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں تو پھر عدلیہ کا وقار مجروح ہو گا۔ آپ مجھے بتایئے کہ کیا راستہ اختیار کیا جائے۔ صحیح راستہ یہ ہے کہ لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے لوگوں کو اکٹھا کیا جائے۔ میں اسلم صاحب سے کہہ رہا تھا کہ مجھے کراچی آکر بڑی خوشی

ہوئی۔ اسلم صاحب نے حیران ہوکر کہا کہ کراچی آکر آپ کو کس بات سے خوشی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ کم از کم پچھلے آٹھ دس روز کے اخبارات میں ضیاء الحق کو گالیاں دی گئیں۔ لوگوں کو احساس ہوگیا ہے کہ بلدیاتی سطح پر اُن کے منتخب نمائندے اُن کے مسائل حل کرنے کے لئے بااختیار ہوں گے۔ ابھی چند ماہ ہوئے کہ میں یہاں آیا تھا میں نے اسی لان میں لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ ہزاروں لوگ آئے، لیکن جس وقت اُن سے پوچھا گیا کہ بی بی، بھائی، بتایئے آپ کو کیا تکلیف ہے تو انہوں نے کہا کہ حضور ہمارے محلے میں بجلی نہیں آئی، ٹیلیفون کا بل غلط ہے، نوکری دلوا دیجئے، پانی کا یہاں نلکہ لگوا دیجئے، میرا ایک مقدمہ چھ سال سے چل رہا ہے، میرے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے، ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا وغیرہ وغیرہ۔ ملکی مسائل کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ اس کا سب سے بہتر علاج میرے خیال میں یہ ہے کہ عوام کے مسائل اُن کے منتخب کردہ نمائندے حل کریں۔ ایران کو دیکھ لیجئے۔ وہاں ماشاء اللہ اسلام بھی ہے، تحریک بھی چلی اور انقلاب بھی آیا۔ ایران کی فی کس سالانہ آمدنی بھی کافی ہے۔ وہاں پیسے کی کوئی کمی نہیں ہے، لیکن دیکھ لیجئے کہ اس وقت وہاں کافی مشکلات موجود ہیں۔ بنیاد جب تک صحیح نہیں ہوگی اُس وقت تک مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہم نے لوکل کونسلز یا لوکل باڈیز کا قانون بنایا ہے۔ اُس کے مطابق آج کل آپ لوگ خوب تیاری بھی کر رہے ہیں اور ایک ایک سیٹ کے لئے دس دس آدمی کھڑے ہو رہے ہیں حالانکہ کسی سیاسی سرگرمی کی اجازت نہیں ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ لوگ چھپے چھپے محلوں میں، بیٹھکوں میں کنویسنگ کر رہے ہیں۔ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ ایک شخص

کے دادا کا انتقال پانچ سال پہلے ہوا تھا لیکن ایک امیدوار آج ان کی تعزیت کے لئے پہنچا اور کہا کہ مجھے کوئی خدمت بتایئے۔ لوگ یہاں تک پہنچ گئے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر آپ مجھے چنیں گے تو یہ سڑک پختہ کرا دوں گا۔ اگر آپ مجھے چنیں گے تو سکول بنوا دوں گا۔ میں کراچی کا ذکر نہیں کر رہا جہاں کی ساٹھ لاکھ آبادی ہے، لیکن چھوٹے شہر یا گاؤں یا محلّے کو لے لیجئے۔ محلے کے رہنے والے محلّے داروں سے کچھ نہیں چھپا سکتے۔ صرف اپنے ووٹ کو صحیح معنوں میں استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر صحیح معنوں میں اچھے نمائندے چُنے گئے تو معاشرے کی تنظیم کے لئے اچھے کارکن میسّر آئیں گے، لیکن اگر ہم نے صرف اس بنا پر کسی کو چن لیا کہ اُس نے ہمیں حلوہ یا پلاؤ کھلا دیا یا سچّے جھوٹے وعدے کر لئے تو پھر وہی حال ہو گا جو آج سے پانچ سال، دس سال، پندرہ سال پہلے تھا۔ اس معاملے میں میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ خود بھی اپنے عزیز و اقارب کے ذریعے اپنے حلقۂ کار کے اندر لوگوں سے یہ چیز ضرور کہیں کہ دیکھئے ہم یہ کوئی نیا تجربہ نہیں کر رہے ہیں، یہ روایت اسلام میں بہت پہلے سے چلی آ رہی ہے کہ ایسے اشخاص کو چُنیئے جن میں خود اقتدار حاصل کرنے کی ہوس نہ ہو۔ آپ کے سامنے اسلام کی تاریخ کے کئی ایک ایسے سنہرے ابواب موجود ہیں جہاں لوگوں کو عہدوں کی پیش کش کی گئی، لیکن اُنہوں نے کہا کہ ہمیں معاف کیجئے۔ ہم بہت گنہگار آدمی ہیں، ہم سے بوجھ نہیں اٹھایا جا سکتا اور اُنہیں مجبور کیا گیا کہ آپ یہ ذمہ داری ضرور سنبھالئے۔ آج کل لوگ اپنا جھنڈا لے کر باہر پھر رہے ہیں کہ بھائی مجھے صدر چُن لو۔ مجھے لوکل کونسل کا ممبر چُن لو، تو پھر یہ تو تضاد ہو گیا۔ ایک طرف تو آپ کہہ رہے کہ ہم اسلامی نظام لائیں گے اور مجھ سے جائز طور پر پوچھ رہے

ہیں کہ ۱۰ فروری کو تم نے اعلان کیا، کتنے ہاتھ کاٹے ہیں آج تک۔ دوسری طرف میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جناب یہ دیکھئے آپ کے الیکشن ہو رہے ہیں، آپ کس شخص کو چنیں گے۔ آپ اُس شخص کو چنیں گے جو کہ حلوہ روٹی کھلا رہا ہے یا اُس شخص کو چنیں گے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ آپ کا سوال مجھ سے جائز ہے اور میرا سوال آپ سے جائز ہے۔

میں ایک اور مسئلے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی کوئی رائے نہیں دے رہا، نہ میں اپنے آپ کو عالمِ دین سمجھتا ہوں۔ علما حضرات یہاں ہمارے سامنے بیٹھے ہیں۔ سنّی فرقہ کے، شیعہ فرقہ کے۔ میں تو بہت گنہگار آدمی ہوں۔ میں کچھ نہیں کہتا۔ میں صرف اِس چیز کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اسلام کہتا ہے کہ آپس میں تفرقہ بازی سے باز آجاؤ۔ اپنے اندر اختلاف مت پیدا کرو۔ کیا اسلام کے کوئی ایسے احکام ہیں جن کی رُو سے اجازت ہو کہ ایک ملک کے اندر اسّی بیاسی پارٹیاں ہوں۔ کیا اسلام میں کسی عہد میں یہ جائز رہا ہے کہ ملک کا نظام اس صورت میں چلایا جائے کہ اُس کو ایک اکثریت چاہتی ہے۔ اگر اکثریت چاہتی ہوتی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اسلام نہیں پھیلا سکتے تھے۔ اگر اکثریت ہوتی تو خلفائے راشدین میں سے کوئی کامیاب نہ ہوتا، بلکہ اسلام تو یہاں تک کہتا ہے کہ اگر صحیح کام ہے اور تمہارے اپنے اہلِ خاندان اور تمہارے دوست احباب تم کو غلط مشورہ دیتے ہیں تو اُن کو بھی ٹھکرا دو۔ وہ کام نہ کرو جو تمہاری نظروں میں صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق نہ ہو۔ ایک طرف تو آپ مجھے یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ کاٹ دو، دوسری طرف آپ مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ یہ جو الیکشن ہو رہے ہیں، ان کے اندر مغربی طرز کی

جمہوریت لایئے۔ میں اپنی طرف سے کوئی رائے نہیں دے سکتا کیونکہ لوگ اس سے غلط مطلب لیتے ہیں۔ آپ آج کل کے زمانے میں کوئی صحیح بات کہہ دیں تو لوگ فوراً کہہ دیں گے کہ ۲۵ تاریخ کو کراچی میں بلدیاتی اداروں کے الیکشن ہو رہے ہیں، ضیاء الحق ۲۰ تاریخ کو کراچی گیا ہے۔ دو سو آدمیوں کو اکٹھا کیا ہے اور خواتین کے اندر بیگم رحمت اللہ، بیگم حسین موجود تھیں اور اس نے اُن کے سامنے کہا ہے کہ اسلام میں تو جو جمہوریت جائز ہی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کرسی پہ بیٹھے رہنا چاہتا ہے۔ یہ اسلام کا نام لیتا ہے۔ نہ اس نے الیکشن کروانے ہیں نہ اور کچھ کرنا ہے۔ اس لئے میں اپنی رائے نہیں دے رہا۔ میں آپ سے صرف یہ گزارش کرتا ہوں کہ ابھی یہ جو ہمارا پہلا قدم ہے جس کے ذریعے ہم صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریت نافذ کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے جو طریقۂ کار استعمال کیا ہے، کہیں میں نے اس میں سیاسی پارٹی کا نام نہیں لیا۔ ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ سیاست کی بنیاد پہ یہ الیکشن نہیں لڑے جا رہے۔ کسی پارٹی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے امیدواروں کے لئے کنولسنگ کر سکے۔ میں نے صحیح جذبۂ اسلام کے مطابق آپ سے کہا ہے کہ آپ اپنے اپنے علاقے کے لئے جو مجلسِ شوریٰ چُنتے ہیں، خدا کے لئے اُن میں صحیح معنوں میں اسلامی ذہن رکھنے والوں کا انتخاب کیجئے۔ اب اس کی کامیابی یا ناکامی آپ کے ذمے ہے، لیکن اس کے بعد جو دوسرے انتخابات ہوں گے اس کے متعلق میں نے آپ کے سامنے ایک نکتہ رکھا ہے۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اپنا کوئی خیال آپ پہ مسلط کروں، نہ میں اپنے آپ کو اپنے دائرۂ کار سے باہر لے جانا چاہتا ہوں کیونکہ اس وقت جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس کی اور بہت سی

عنایات پاکستان پر ہیں وہاں ہمیں اس چیز کی طرف بھی توجّہ دینی چاہیئے کہ موجودہ حالات کیسے ہیں، اندرونِ ملک کیا حالات ہیں اور بیرونِ ملک کیا حالات ہیں۔ اس وقت اس تمام برِصغیر میں بلکہ اس تمام علاقے میں پاکستان استحکام کا ایک جزیرہ نظر آرہا ہے۔ ایک ایسا جزیرہ جس میں کچھ تھوڑا بہت اسلام کا نام لیا جا رہا ہے اور استحکام نظر آرہا ہے۔ آپ افغانستان کی حالت دیکھئے، ہمارا پڑوسی ملک ہندوستان ہے جو اپنے آپ کو سب سے بڑا جمہوری ملک کہتا ہے، وہاں دیکھئے سیاست کے ذریعے سے وہ کہاں تک پہنچے ہیں۔

پاکستان کو اپنے خارجی معاملات میں جو دشواریاں ہیں انہیں میں ہی جانتا ہوں۔ میں سڑک پر، گلی میں یا جناح پارک کے اندر مجمع نہیں لگا سکتا اور نہ اپنا سینہ چیر کر آپ کو دکھا سکتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو یہ ذمہ داری دی ہے تو مجھے اس نے قوتِ برداشت، صبر اور ایمان بھی دیا ہے۔ دو سال کے اندر ہم پر کتنے دباؤ ڈالے گئے جن کا میں نے مقابلہ کیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کوئی سیاسی حکومت ہوتی تو آج تک گھٹنے ٹیک چکی ہوتی۔

ہمارا ایک چھوٹا سا پروگرام ہے۔ میں اور میرے دوست احباب ہم سب یہ کہتے ہیں کہ دیکھئے جدید زمانہ ہے، نئی ٹیکنالوجی آگئی، اس زمانے میں نئی قوتیں ہیں، نئے نئے لوازمات ہیں۔ ہمیں اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے ایسی تدابیر کرنی ہیں جن سے ہماری ضروریات پوری ہوں۔ بجلی ضروریات سے بہت کم ہے۔ اس کے علاوہ پٹرول کی قیمتوں کے متعلق بھی آپ کو معلوم ہے۔ آج سے پہلے جہاں ہم ستّر کروڑ روپے دے رہے تھے وہاں اس سال نو سو پینتیس کروڑ ہم نے صرف تیل پر خرچ کئے تو وہ ملک جو اپنے زرِ مبادلہ کا چالیس فیصد حصّہ صرف

تیل کے ایک آئٹم پر خرچ کرے گا اور اپنے بجٹ کا پچیس فیصد حصّہ تیل پر خرچ کرے گا وہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ اپنی انرجی کی ضروریات کے لئے متبادل ذرائع تلاش نہ کرے۔ ہم نے کہا کہ ہم نہایت پُرامن طریقے سے اپنا ایک پروگرام چلا رہے ہیں جس کے ذریعے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان کی توانائی کی ضروریات کیسے پوری کی جائیں۔ اس پر شور اٹھا کہ یہ تو اسلامی بم بنا رہا ہے۔ یہ صیہونی لابی کا پروپیگنڈہ ہے۔ پاکستان کے ساتھ اس وقت جو بھی ہو رہا ہے وہ صرف یہودی مخالفت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اُن کا یہ نظریہ ہے کہ پچھتر ملین آبادی کا یہ ملک جو اپنے آپ کو اسلام کا قلعہ کہتے ہیں، اگر ان کی پوزیشن مستحکم ہو گئی تو پورے عالم اسلام میں تہلکہ مچ جائے گا۔ پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا ہے، اگر ان کے ہاں کوئی جدید ٹیکنالوجی آ گئی تو یہ ضرور کچھ نہ کچھ کر کے دکھائیں گے اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ایٹم بم بنائیں گے، اپنے لئے استعمال نہیں کریں گے۔ ایک طرف ایک یہودی آتا ہے۔ وہ جا کر ہندوستان میں زہر اُگلتا ہے کہ دیکھو بھائی پاکستان نے آپ کے ساتھ تین مرتبہ جنگ کی ہے، اب وہ بم بنا رہا ہے۔ اُس کو وہ دلّی، بمبئی اور کلکتہ پر پھینکے گا۔ اُدھر زہر پھیلا دیا۔ دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ جناب یہ جو بم ہے وہ پاکستان نے اپنے لئے استعمال نہیں کرنا، اُس کی تو چین کے ساتھ دوستی ہے۔ انہوں نے تو یہ بم اٹھا کر، غباروں کے اندر بند کر کے صدر قذافی صاحب کو دینا ہے کہ جناب لیجئے، یہ آپ فلسطینیوں کو دیں تاکہ وہ اسے اسرائیل کے اوپر پھینک دیں تاکہ اسرائیل ختم ہو جائے۔ اس حد تک لوگوں نے زہر اُگلا ہے، لیکن میرا اپنا یہ ایمان ہے کہ پاکستان کے عوام میں وہ صلاحیت ہے کہ اگر یہ صحیح معنوں

میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھیں اور جو صلاحیتیں اُس نے بخشی ہیں ان کو صحیح طریقے سے بروئے کار لایا جائے اور محنت کر کے صحیح معنوں میں کوشش کی جائے تو کوئی چیز ایسی نہیں جو پاکستان کو نصیب نہ ہو۔ اٹامک انرجی تو ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ آج کل آپ نے اخباروں میں دیکھا ہو گا کہ یہاں لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان ایٹم بم بنانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ڈیڑھ سال میں بنائے گا۔ دو سال میں بنائے گا۔ کچھ کہتے ہیں کہ ضیاء الحق نے اکتوبر میں ایٹمی دھماکہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، اور پھر کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ ہو گا وہ ہو گا۔ الیکشن ختم ہو جائیں گے اور پھر یہ اسلامی بم پر بیٹھا رہے گا اس کے ساتھ ساتھ مغربی ممالک کے اندر جو مواد چھپ رہا ہے اُس میں لوگ یہ بھی کہتے ہیں اور یہ سچائی ہے۔ آج کل کے زمانے میں ایک نیوکلیئر سائنس کا سٹوڈنٹ بھی ایٹم بم بنا سکتا ہے۔ آپ پاکستان کی بات کرتے ہیں۔ پاکستان میں تو بہت سے سائنسداں ہیں۔

یہ تو ہیں خارجی حالات، لیکن اگر اندرونی طور پر امن و امان اور اتحاد ہو تو ان حالات سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلدیاتی اداروں کے انتخابات میں آپ اچھے نمائندوں کا انتخاب کیجئے، اپنے آپ پر اعتماد کیجئے اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونے کی کوشش کیجئے اور ملکی استحکام کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیئے۔ پچھلے دنوں ہم نے بجٹ بنایا تھا۔ آپ لوگوں کے کہنے پر اُس میں کچھ ترامیم بھی کی ہیں، لیکن آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جو اقوام دوسروں کے ٹکڑوں پر پلتی ہیں وہ کبھی کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ شاہین جو اتنی اونچی پرواز کرتا ہے، وہ گدھ کے شکار کئے ہوئے گوشت پر نہیں پلتا۔ آپ مجھے یہ بتایئے کہ

اس کے لئے قوم کیا قربانی دے سکتی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ اگر آج میں قوم کے پاس جاؤں اور ان کو بتاؤں کہ دیکھئے آپ کو اس قربانی کے لئے تیار ہونا چاہیئے تو پوری قوم لبیک کہے گی۔ جو لوگ آج سے تینتیس سال پہلے پاکستان بنانے کے لئے اپنی، اپنے بچوں کی، اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کی قربانی دے سکتے تھے، مجھے یقین ہے کہ اگر ان سے آج بھی پاکستان کے لئے کوئی قربانی مانگی جائے تو وہ دریغ نہیں کریں گے۔ آپ حکومت کو کچھ نہ دیجئے۔ صرف اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے ﷲ خوب دل لگا کر محنت کیجئے تاکہ پیداوار زیادہ ہو۔ ہمارے ہاں غلّہ زیادہ ہو تاکہ باہر سے منگوانے پر پیسہ خرچ نہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ عوام اس اپیل کا انشاءاللہ مثبت جواب دیں گے اور اس سلسلے میں میری تائید کریں گے۔

آج کل کے زمانے میں جب ہم اسلام کا نام لیتے ہیں تو ہمیں یقین ہونا چاہیئے کہ اسلام ہر زمانے کے لئے بھیجا گیا ہے اور اسلام کے علاوہ موجودہ زمانے میں کوئی ایسا دین یا مذہب نہیں جو حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکتا ہو۔ اس کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں نئی ٹیکنالوجی کی طرف زیادہ توجّہ دینی چاہیئے اور اُس کے لئے ہمیں قربانی صرف یہ دینی ہے کہ ہم صحیح معنوں میں اپنا خون پسینہ بہا کر حلال کی کمائی کھائیں۔ جس دن ہم سے حرام کی کمائی کا چسکا نکل گیا تو آپ دیکھیں گے کہ آدھے سے زیادہ حالات خودبخود ٹھیک ہو جائیں گے۔

جہاں تک معاشرے کو درست کرنے کا تعلق ہے تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ کچھ سختی کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے آپ بھی سوچیئے، میں بھی سوچوں گا کہ کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے کیونکہ ایک زبان جیسے امریکہ سے لے کر جنوبی افریقہ

تک تمام لوگ سمجھتے ہیں وہ ڈنڈے کی زبان ہے اور چونکہ ہم نے ڈنڈا ابھی تک استعمال نہیں کیا اس لئے بہت سی خامیاں پیدا ہو گئیں ہیں جس روز ہم نے یہ ڈنڈا نکال لیا تو میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ چوریاں چکاریاں، یہ رشوت ستانیاں سب ختم ہو جائیں گی۔ میں نے تھوڑی سی ڈھیل دی ہے اگر موقع آیا تو انشاءاللہ پھر طاقت بھی استعمال کریں گے۔

ایک اور چیز جس کی طرف آپ کی توجہّ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام کے تین پہلو ہیں، اعتقادات، عبادات اور اعمال خوش قسمتی سمجھ لیجئے یا کچھ اور کہ ہمارے ہاں دو بڑی فقہہ ہیں۔ فقہ جعفریہ جس سے میرے شیعہ بھائی منسلک ہیں اور فقہ حنفیہ جس میں سنّی حضرات شامل ہیں۔ باقی فرقوں کا میں ذکر نہیں کر رہا۔ جہاں تک عبادات اور اعتقادات کا تعلق ہے، پاکستان کی اکثریت فقہ جعفریہ یا فقہ حنفیہ سے منسلک ہے۔ ہمارے شیعہ بھائیوں کو یہ گمان بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ خدانخواستہ ہم کوئی ایسی چیز کر رہے ہیں جس سے ان کو نقصان پہنچے، لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو عمل فرد سے تعلق رکھتا ہے اور فرد معاشرے سے تعلق رکھتا ہے اور معاشرے کو صیحح کرنے کے لئے سختی کی ضرورت ہے۔ سختی کے لئے تعزیرات کی ضرورت ہے۔ تعزیرات میں ایک قانون ہو سکتا ہے دو قوانین نہیں ہو سکتے، یہ سیدھی سادی چیز ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے شیعہ بھائی اس چیز کی طرف توجہ دیں گے اور ہم سب پاکستان میں بطور پاکستانی کے آپس میں مل کر رہیں گے بجائے اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں، ہم اہلِ سنّت ہیں یا دیوبندی ہیں، بریلوی ہیں، شیعہ ہیں۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم سب پاکستانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا کہ آپس

میں مل کر صحیح معنوں میں پاکستان کو نہ صرف ایک نظریاتی ملک بلکہ ایک ماڈل بنائیں جس میں اسلام کا بول بالا ہو، اسلام کا نظام ہو اور صحیح معنوں میں لوگوں کو آزادی حاصل ہو۔ اسلام میں دین اور سیاست میں کوئی اختلاف کوئی تضاد نہیں۔ اس کا اقبال نے بھی ذکر کیا ہے کہ ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

سیاست کو دین سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے حکومتِ وقت کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ تعزیرات پر عمل کرائیں، جہاں اُن کے لئے یہ ضروری ہے کہ تعلیم کا نظام صحیح ہو، وہاں اُن کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اسلامی نظریات کے فروغ کے لئے اپنی تمام کوششیں بروئے کار لائیں۔

پاکستان کی چالیس پینتالیس فیصد آبادی خواتین پر مشتمل ہے۔ قوم گاڑی کی مانند ہے۔ گاڑی کے دو پہیے ہیں، مرد اور خواتین۔ ایک پہیے سے گاڑی نہیں چل سکتی۔ تاریخ کا جائزہ لے لیجئے، ہمیں اس سلسلے میں تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسلامی نظریے کے مطابق خواتین کو وہ مقام عطا کرنا چاہیئے جو اسلام کا نظریہ ہے اور جس کا اسلام حکم دیتا ہے۔ اُن سے توقع کرنی چاہیئے کہ وہ ماں، بہن، بیوی، بیٹی کی حیثیت سے معاشرے کی تربیت میں صحیح معنوں میں اپنا کردار ادا کریں گی۔ چالیس فیصد آبادی کے متعلق آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ عورتوں کو گھروں کے اندر بٹھا دیا جائے، یہ ناممکن ہے۔ بعض حضرات ایسے ہیں جو آج کل بھی اپنی فیملی میں مرد حکیم کو اور مرد ڈاکٹر کو نہیں دکھانا چاہتے۔ خواتین کا کردار پاکستان جیسے اسلامی ملک میں نہ صرف مثبت کردار ہو بلکہ تعمیری ہونا چاہیئے۔ میں آپ سے یہی توقع کروں گا۔

آج میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ میرا آپ سے رابطہ قائم کرنے کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ صرف میں ہی آپ سے بات کروں کیونکہ مجھے تو آپ سے کوئی ووٹ نہیں لینے ہیں۔ آپ سے صرف خیالات کا اظہار کرنا تھا اور آپ کے خیالات سننے تھے۔ میں نے آدھا گھنٹہ کچھ گزارشات کی ہیں۔ میرا مقصد یہاں آنے کا صرف یہ تھا کہ کچھ آپ سے کہوں، کچھ آپ کی سُنوں۔ آپ کوئی مشورہ دیجئے۔ آپ کی کچھ تکالیف ایسی ہیں جن کو میں دُور کر سکوں تو وہ یہاں بیان کیجئے کیونکہ یہ ڈیڑھ دو سو حضرات و خواتین پورے کراچی کی نمائندگی کر رہے ہیں حالانکہ آپ چُنے ہوئے نمائندے نہیں ہیں، لیکن میرے خیال میں موجودہ حالات میں آپ کو نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے۔ جب صحیح معنوں میں نمائندے آجائیں گے تو پھر اگر مجھے موقع ملا تو میں اُن سے بھی بات کروں گا۔ انشاء اللہ۔ شکریہ، خدا حافظ !

کوہاٹ کے علما اور معزّزینِ شہر سے خطاب

۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء

کوہاٹ میں صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاالحق نے علما اور معززینِ شہر سے خطاب کیا۔ اپنی مختصر تقریر میں صدرِ پاکستان نے پاکستان کے داخلی اور خارجی حالات کا بھرپور نقشہ پیش کیا اور مذہبی اور علاقائی عصبیت کے خطرات سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ انہوں نے سیاسی پارٹیوں کے لئے لازمی رجسٹریشن کے فلسفے کی وضاحت کی اور بلدیاتی انتخابات کی اہمیت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ بنیادی طور پر ہمارے مسائل معاشی ہیں اور بلدیاتی ادارے ان کے حل کے لئے موزوں ادارے ہیں۔

کوہاٹ کی جغرافیائی حیثیت کے پیشِ نظر صدرِ پاکستان نے ہمسایہ ممالک خصوصاً افغانستان سے تعلقات کا ذکر کیا اور رہنما ہیں افغانستان کے صدر جناب ترہ کئی سے اپنی ملاقات کی تفصیلات بتائیں۔ انہوں نے جوہری توانائی کے حصول اور اس کے پُرامن استعمال کے لئے اپنی کوششوں کا ذکر کیا اور اسے پاکستان کی بقا اور ترقی کیلئے ایک لازمی عنصر قرار دیا۔

اپنی تقریر کے بعد صدرِ پاکستان نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیئے اور علاقے کے مسائل پر اُن سے تبادلۂ خیال کیا۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

جناب گورنر صوبہ سرحد، جنرل فضل حق صاحب

اور

معززّ اہالیانِ کوہاٹ !

السلام علیکم۔ مولوی صاحب نے قرآنِ کریم کی تلاوت سے اِس محفل کا آغاز کر کے میری آدھی مشکل حل کر دی ہے۔ دوسرے مجھے یہ بھی تلقین کی ہے کہ میں بھی بات اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کروں اور سب سے اہم بات جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، مولوی صاحب نے اُس کی طرف قرآن کی آیت کے حوالے سے اشارہ کیا ہے۔ میرا مقصد آپ سب پر پہلے یہ واضح کرنا ہے کہ پاکستان کا بڑا مسئلہ، آج بھی اور کل بھی، سیاسی نہیں بلکہ معیشت سے متعلق رہا ہے۔ اگر پاکستان میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اِس وقت جو کچھ موجود ہے، اُس کا صحیح طور پر استعمال کیا جائے، مزید کوشش کی جائے اور اللہ سے اُس کے فضل و کرم کی دعا مانگی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان ایک نہایت خوشحال ملک نہ

بن جائے۔ چنانچہ میں یہ کہوں گا کہ اگر ہمارا مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ معاشی نوعیت کا ہے تو پھر اُس سے سیاسی نقطۂ نظر سے کیوں نمٹا جاتے۔ ہمارے ہاں آج کوئی سیاسی لیڈر یہ نہیں کہہ رہا کہ پاکستان میں مہنگائی ہو گئی ہے۔ یہ لوگ تو صرف مجمع لگا کر یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ووٹ دیجئے، ہم آپ کے لئے یہ کام کریں گے، وہ کام کریں گے، میرا تعلق فلاں پارٹی سے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ شروع کرتے ہیں اللہ کے نام سے، کلام مجید کی آیت سے، لیکن ختم کرتے ہیں تفرقہ بازی پر۔ آپ ہی بتایئے، کیا یہی اسلام ہے۔ اِس لئے میں سب سے پہلے آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے۔ ہمارا اصل مسئلہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا، سیاسی نہیں معاشی ہے۔ ہماری مشکل، ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ملک کے اندر مہنگائی ہو گئی ہے۔ ہمیں اِس کی وجوہات کی طرف توجہ دینا چاہیئے۔ ہمیں آپس میں مل بیٹھ کر سوچنا چاہیئے اور ہمارے ماہرین کو اِس مسئلہ کا حل ڈھونڈنا چاہیئے۔ وہ شخص جو لیڈر ہونے کا داعی ہے اُسے بھی قوم کو اس مسئلے کا حل پیش کرنا چاہیئے، لیکن یہ لوگ اِس بات کی طرف مطلق توجّہ ہی نہیں دیتے۔ کیا کسی نے آج تک یہ سوچا ہے کہ پاکستان کے ہر شہری کو وہ مواقع، وہ سہولتیں میسّر ہیں جو ایک آزاد ملک کے شہری کو ہونا چاہئیں؟ کیا غربا کے لئے مناسب آمدنی کا انتظام کیا گیا ہے۔ سیاسی لیڈروں سے پوچھئے کہ اس بارے میں اُن کے کیا پروگرام ہیں؟ کیا انہوں نے سوچا ہے کہ زمیندار کے پاس کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی زمین ہونی چاہیئے۔ کیا بارہ ایکڑ زمین سے ایک قبیلہ یا ایک خاندان اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔ کیا بارہ ایکڑ زمین کی حد سے کوئی اپنا گزارہ کر سکتا اور قوم کو کچھ دے سکتا ہے۔ چنانچہ میں بار بار آپ کی توجہ اِس طرف دلا رہا ہوں کہ

ہمارا مسئلہ سیاسی نہیں معاشی ہے۔ معاشی مسئلے کا حل معاشی نقطۂ نظر سے کیا جانا چاہیئے۔ سیاسی طور طریقوں سے اِس کا حل ممکن نہیں۔ ہم آج جس حال کو پہنچے ہوئے ہیں اُس کی وجہ یہی ہے کہ اس مسئلے کو سیاسی طور سے حل کرنے کی کوشش رائیگاں کی گئی۔ آپ اس سے غلط تاثر مت لیجئے۔ میں بنیادی طور پر ایک فوجی ہوں اور اس وقت میدانِ سیاست میں بھی ہوں، لیکن مجھے یہ تسلیم ہے کہ میں سیاست کی زبان سے واقف نہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ نہ مَیں نے اِس کی جانب توجہ دی ہے اور نہ آئندہ اِس کی طرف توجّہ دینا چاہتا ہوں۔ مَیں صرف اِس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ بتائیے پاکستان میں پچھلے بتیس سال کے اندر کتنے الیکشن ہوئے، اور اگر نہیں ہوئے تو اُس کا سبب کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب بھی ملک سیاستدانوں کے ہاتھ میں گیا ہے، اس کے دو چار سال کے اندر ہی کوئی سیاسی بحران آیا ہے یا پھر فوج نے مداخلت کی ہے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ کیا فوج کو مداخلت کرنے کا چسکا لگا ہوا ہے یا سیاست داں ہی ایسے حالات پیدا کرتے ہیں۔ یہاں فضل حق صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔ مجھ سے قرآن پر ہاتھ رکھوا لیجئے (حالانکہ میرے عقیدے کے مطابق یہ کوئی اچھا عمل نہیں) کہ مجھ کو یا میرے کسی رفیق کو اِس مداخلت کا بالکل شوق نہیں۔ ہم ضرورت سے ایک دن بھی زیادہ نہ ٹھہریں گے۔

لیکن آخر ان حالات کو پیدا کرنے کی ذمہ داری کس پر ہے۔ آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ پچھلے بتیس سال کے دوران قوموں نے بہت ترقی کی ہے۔ چین کو دیکھ لیجئے۔ وہ ہمارے بعد آزاد ہوا۔ انہوں نے زبردست ترقی کی ہے۔ وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بننے والا ہے۔ انہوں نے ۱۹۴۸ء میں اور ہم

نے ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کی۔ اب آپ بتایئے، ہم نے آزادی کے بتیس سالوں میں کیا کیا؟ یہ تسلیم کہ قوموں کی زندگی میں ۳۲ سال کا عرصہ زیادہ نہیں ہے، لیکن میں مثال دے رہا ہوں ان قوموں کی جنہوں نے اِس قلیل عرصے میں بھی اپنے آپ کو مضبوط بنا لیا ہے۔ ہم نے یہ ملک کس لئے بنایا؟ ہم نے یہ ملک اِس لئے حاصل کیا تھا کہ یہاں اسلام نافذ کریں گے۔ ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔ اُس وقت کے برِ صغیر ہندوستان کے مسلمانوں نے یہ تہیّہ کر لیا تھا کہ برِ صغیر کے اندر ایک خطہ ایسا ہونا چاہیئے جہاں لوگ اسلام پر عمل پیرا ہو کر صحیح معنوں میں مسلمان ہو کر زندگی گزار سکیں۔ اِس جدّو جہد میں اہلِ صوبہ سرحد نے وہ کردار ادا کیا جس پر تاریخ ہمیشہ گواہی دے گی۔ اِن حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ ہی بتایئے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا کہ پارٹیوں کو ٹکٹ بانٹنے کے لئے بنا تھا۔ اس لئے میں تو کہوں گا کہ میرے بزرگو، میرے بھائیو! ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ پاکستان کی سیاسی حالت دگرگوں ہے۔ اسے اسلامی نقطۂ نظر سے ہی درست کیا جانا چاہیئے، اور اگر آپ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری معاشی حالت بھی خراب ہے، ہم معاشی مسئلے سے دوچار ہیں تو پھر ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ اسلام اس کا کوئی حل پیش کرتا ہے یا نہیں۔ اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے وجود میں آیا۔ نبیّ کریمؐ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے یہ نوید دی کہ نہ تو کوئی کالے رنگ کا آدمی بہتر ہے اور نہ سفید۔ ایک دوسرے پر فوقیت صرف عمل کی وجہ سے ہے نہ کہ قوم، فرقے یا گروہ کی وجہ سے، نہ عزت یا دولت کی وجہ سے۔ اگر ہم اُس پیغمبرؐ کی امّت ہیں اور اپنے آپ کو صحیح مسلمان سمجھتے ہیں تو ہمیں اپنے دل کو ٹٹولنا چاہیئے اور اپنے

گریبان میں جھانکنا چاہیئے کہ ہمارے اندر خامی یا خلا کہاں پیدا ہوا ہے۔ آج اِس ملک میں جسے تیئیس سال پہلے شیعہ سُنّی دونوں نے مل کر بنایا تھا، اُن کا آپس میں تفرقہ ہے۔ آج یہ کہا جا رہا ہے کہ ملک میں فقہ جعفریہ ہونا چاہیئے، فقہ حنفیہ بھی ہونا چاہیئے۔ آج سے ۳۲ سال پہلے تو یہ کسی نے نہیں کہا تھا۔ جب ہم سب اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو آپس میں تفرقہ بازی چہ معنی دارد۔ یہاں میں عرض کرتا ہوں کہ مولوی صاحب نے قرآن کریم کی جو آیات تلاوت فرمائی ہیں، اُن کا خلاصہ، اُن کی روح یہ ہے کہ ہم آپس میں متحد رہیں اور وہ تمام طور طریقے جو اتفاق و اتحاد کی بیخ کنی کرتے ہیں، ان کو ترک کر دیں۔ موجودہ حالات میں اگر کوئی سیاسی پارٹی اتفاق کی بیخ کنی کر رہی ہے اور تفرقہ بازی کے بیج بو رہی ہے تو آپ اس پارٹی کو رد کر دیں۔ یہ میرا اور آپ کا مشترکہ فرض ہے۔ میں اس بات کو ایک چھوٹی سی مثال سے واضح کرتا ہوں۔ دیکھئے، اس وقت پاکستان کے اندر تراسی (۸۳) سیاسی پارٹیاں ہیں اور اِن تراسی پارٹیوں میں سے بعض سوشلزم کی پرچارک ہیں۔ بعض کہہ رہی ہیں کہ اِس ملک میں لادینی حکومت ہونی چاہیئے، سیکولرزم ہونا چاہیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسلام کو ایک طرف رکھ دیجئے، اور بعض تو ایسے بہروپئے ہیں کہ اسلام کا نام لے کر مسلمانوں میں تفرقہ ڈال رہے ہیں۔ اِن میں سے آپ تراسی نہیں بارہ پندرہ پارٹیاں لے لیجئے اور اُن سے پوچھئے کہ بتائیے آپ کا لائحہ عمل کیا ہے۔ آپ کا منشور کیا ہے۔ اب اِن کے منشور کو دیکھئے۔ اُن سے پوچھئے کہ آپ نے ۳۲ سال میں اسلام کی کیا خدمت کی۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک کے بارے میں آپ کو مجھ سے زیادہ علم ہوگا۔ اِس تحریک میں سیاسی نمائندوں کا ایک فیصد حصہ بھی نہیں۔ یہ تحریک

عوام نے چلائی۔ لاہور، کراچی اور پشاور میں عوام سروں پر کفن باندھ کر نکلے، گلوں میں قرآن مجید کے جزدان لے کر نکلے۔ یہ لوگ کسی سیاسی پارٹی کے نام پر باہر نہیں آئے تھے۔ سیاستداں اس وقت تمام کے تمام جیلوں کے اندر بند تھے۔ آپ بتایئے، اس تحریک میں اُن کا کیا حصّہ ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو اُن سے پوچھئے کہ جب ضیاء الحق کہتا ہے کہ اپنی پارٹی کو رجسٹر کرواؤ تو اس کی مخالفت کے کیا معنی ہیں۔ میَں آپ کو بتاتا ہوں کہ رجسٹریشن کا کیا مطلب ہے۔ ہم نے کہا ہے کہ پاکستان کے اندر اگر کوئی سیاسی پارٹی الیکشن لڑنا چاہتی ہے تو وہ سب سے پہلے یہ اعلان کرے کہ وہ پاکستان کی خدمت اور پاکستان کی یک جہتی وسلامتی کی علمبردار ہوگی۔ دوسرے یہ کہ وہ نہ صرف پاکستان کی سلامتی کی ضامن ہوگی بلکہ اسلام کی داعی بھی ہوگی۔ اِس کے بعد ایسی پارٹیاں اپنا منشور دکھائیں گی اور پھر میدان میں آئیں گی۔ اس میں کیا برائی ہے؟ جب آپ نے ایک سیاسی پارٹی تشکیل دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ چند پیسے جمع کرلیں، ایک دن لندن جائیں وہاں بھی لوگوں سے پیسے بٹوریں اور پاکستان آکر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرواکر دعویٰ کردیں کہ ہم ایک سیاسی پارٹی ہیں۔ ایک اور بات آپ فرماتے ہیں کہ آپ جمہوریت کے داعی ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم پاکستان میں جمہوریت کا نفاذ کریں گے اور ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ اکثریت کی رائے پر عمل کرنا چاہیئے۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ حضور یہ بتایئے کہ آپ نے اپنی پارٹی میں کبھی الیکشن کروائے ہیں۔ دس سال کا عرصہ ہوگیا ہے۔ سوائے ایک آدھ پارٹی کے، کسی پارٹی نے اپنے الیکشن نہیں کروائے۔ اگر یہ لوگ پندرہ آدمیوں پر مشتمل پارٹی میں الیکشن نہیں کرواسکتے تو اِس کا صاف مطلب ہے کہ یہ پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام

کو دھوکا دے رہے ہیں۔ پھر یہ لوگ مجھ سے شکوہ کرتے ہیں کہ آپ نے ہم کو حکومت کے اندر شامل بھی کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیں شامل نہیں کیا۔ پھر مجھ سے کہتے ہیں کہ ہماری مدد کرو، ہمیں یہ دو، ہمیں وہ دو اور پھر ہم سے یہاں تک امید رکھتے ہیں کہ ہم اقتدار چھوڑ دیں اور انہیں لاکر کرسی پر بٹھا دیں کہ لیجئے صاحب! اب آپ حکومت کریں۔ یہ تمام باتیں پوچھنے میں، جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، یعنی اسلام کا علمبردار ہونے کا اعلان، اپنے آپ کو جمہوریت پسند ثابت کرنا، اپنا منشور اور آئین بنانا اور یہ بتانا کہ آپ کے پاس پیسہ کہاں سے آتا ہے، آخر کیا مضائقہ ہے۔ ایک صحیح سیاسی پارٹی کو اِن باتوں کا معقول جواب دینا چاہیئے اور یہ تمام سیاسی لیڈر حضرات سے جن میں بعض کی میں بہت عزّت کرتا ہوں، پوچھا جانا چاہیئے کہ صاحب! آپ کس کی تقلید کر رہے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ نے کون سی سیاسی پارٹی بنائی تھی۔ اگر بنائی تھی تو اس کا ثبوت فراہم کریں۔ خلفائے راشدین میں سے کس نے کہا تھا کہ دو سیاسی پارٹیاں ہونی چاہئیں۔ اگر آپ سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اسلام کا نام لینا چاہتے ہیں تو تاریخِ اسلام میں کہیں تو اُن کا ذکر تلاش کریں۔

امریکہ اور جرمنی کو لے لیجئے۔ اِن ممالک میں پارٹیوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنا آئین، اپنا منشور اور اپنے حسابات حکومت کو یا حکومت کے کسی ادارے کو دکھائیں گے۔ ہمارے لیڈر نہ تو پہلی بات مانتے ہیں اور نہ دوسری۔ ہاں زمین اور آسمان کے قلابے ضرور ملاتے ہیں اور ہم سب کو ایسے سبز باغ دکھاتے ہیں کہ جیسے کل ہی پاکستان جنّت میں بدل جائے گا۔ اِس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ اِن سے بچئے۔ نہ صرف اِن سے بچئے بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان

کو ان سے بچائیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم صرف ایسے نمائندوں کو آگے لائیں جن کا ذہن اسلامی ہو، جن کی روح اسلامی جذبے سے سرشار ہو اور جن کا کردار اسلام کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔ اگر ہم نے یہ موقع کھو دیا تو یاد رکھیئے، آنے والی نسلیں نہ آپ کو اور نہ مجھے معاف کریں گی۔ اِس سلسلے میں ہم نے سب سے پہلا قدم اٹھایا ہے۔ ہم اِس چیز سے کما حقہ، آگاہ ہیں کہ اِس ملک کے لئے ہم سب نے قربانی دی ہے، اپنا خون بہایا ہے۔ لوگ اپنی جائیدادوں اور اعزاواقارب کی قربانی دے کر ہندوستان سے پاکستان پہنچے تھے۔ کیا عوام کی تمام قربانیاں رائگاں جائیں گی؟ اِس ملک کے لئے تین جنگیں لڑی گئی ہیں۔ پاکستان کے اندر بھی اسلام کو قائم رکھنے کے لئے زبردست جہاد ہوا ہے۔ عوام نے اُس میں بھرپور حصّہ لیا ہے۔ اِس سلسلے میں ۷۷ء کی تحریک کا حوالہ موجود ہے، تو کیا یہ سب قربانیاں رائگاں جائیں گی۔

اندریں حالات ہمارا فرض ہے کہ ہم دیکھیں، پاکستان کے حق میں کیا بہتر ہے۔ پاکستان کی سالمیّت کو مقدم جانتے ہوئے ہم نے پہلے قدم کے طور پر یہ سوچا ہے کہ اپنے معاشی وسماجی نظام کو صحیح معنوں میں اسلام کے سانچے میں ڈھالنا چاہیئے اور اس کے لئے ایک مضبوط بنیاد ڈالی جانی چاہیئے۔ چنانچہ لوکل سیلف گورنمنٹ کا الیکشن اِس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ اِس نظام کا ڈھانچہ ملاحظہ کیجئے۔ ممبروں کے اختیارات دیکھئے۔ آج تک پاکستان کی تاریخ میں اور دوسرے ترقی پذیر ممالک کی تاریخ میں اِس کی مثال نہیں ملتی۔ جیسا کہ میں نے کراچی میں کہا ہے، آپ نے سُنا ہو گا اور پڑھا بھی ہو گا، میرے ذاتی خیال میں جب عوام نچلی سطح سے اپنے صحیح نمائندوں کا انتخاب کریں گے اور صحیح نمائندوں

سے میری مراد باعمل اور صالح مسلمانوں کے انتخاب سے ہے تو اس طرح گویا ایک ایسی شوریٰ کا انتخاب عمل میں آئے گا جو اسلام کی ضمانت فراہم کر سکے گی، لیکن اِس ڈھانچے کو، اس عمل کو تمام سیاسی پارٹیوں نے مسترد کر دیا ہے۔ میرے اِن پارٹیوں سے چھ ماہ مذاکرات ہوتے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ پر زور دیا ہے کہ مَیں اس انتظام کو نافذ نہ کروں کہ یہ گڑبڑ پیدا کرے گا۔ میں نے اُن سے استفسار کیا کہ بلدیاتی اداروں کے وجود میں آنے سے آپ پر کون سے مضر اثرات مرتّب ہوں گے۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ بلدیاتی انتخابات سے ہماری پارٹی کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ میں نے پوچھا کیسا نقصان! فرمایا دیکھئے صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک محلّے، ایک وارڈ، ایک شہر اور ایک گاؤں سے ایک سے زیادہ امیدوار کھڑے ہوں گے۔ دو تین آدمی کھڑے ہوں گے تو وہ بھی تو سب کے سب ہمارے آدمی ہوں گے۔ بعض کا تعلق ہمارے خاندان سے ہو گا، بعض کا تعلق ہماری پارٹی سے ہو گا۔ بتایئے ہم کس کو ووٹ دیں۔ اگر پہلے کو دیں گے تو دوسرا ناراض ہو جائے گا اور دوسرے کو دیں گے تو تیسرا خفا ہو گا۔ اِس پر میں نے کہا کہ آپ پہلے قومی سطح پر انتخاب کروانا چاہتے ہیں تو آپ عوام کو ووٹ ڈالنے کا کون سا طریقہ بتانا پسند کریں گے۔ عوام کس کو ووٹ دیں گے۔ کہنے لگے جو حق دار ہے، جو باعمل ہے۔ مَیں نے کہا۔ آپ کو کیا اعتراض ہے اگر امیدواروں کی چھان بین کی جائے۔ دوسرا اعتراض جو انہوں نے کیا وہ یہ ہے کہ جب آپ مقدور بھر اختیارات بلدیاتی نمائندوں کو دے چکے اور وہ ضلع کی سطح پر، تحصیل کی سطح پر غرضیکہ شہر، قصبہ اور محلّہ کی سطح تک منتخب ہو کر

آ گئے تو پھر ہماری قدر کیا رہ جائے گی۔ پھر ہم ٹکٹ کس کو دیں گے۔ جب ایک شخص ضلع کا انتخاب لڑ کر بلدیاتی انتخابات میں اپنے صالح عمل اور کردار سے جیت کر آئے گا تو پھر تو وہ کہے گا کہ ٹکٹ مجھے دیجئے ورنہ میں آپ کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہوں۔

سو ان کا مسئلہ یہ ہے، وہ چاہتے ہیں کہ بلدیاتی نظام کو نچلی سطح پر خالی چھوڑ دیا جائے۔ پہلے اوپر چھت ڈال دی جائے، یعنی پہلے وفاقی سطح پر انتخابات کروائے جائیں۔ صوبائی اسمبلیاں بن جائیں۔ جس وقت عنانِ اقتدار اُن کے ہاتھ میں آ جائے تو پھر وہ بلدیاتی انتخاب کروائیں اور اس کا وعدہ پچھلی حکومت نے بھی کیا تھا۔ سابقہ وزیرِ اعظم پانچ سال تک اقتدار میں رہے، لیکن بلدیاتی انتخاب نہیں کروایا۔ ۱۹۶۴ء کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ پاکستان کے اندر بلدیاتی انتخاب ہو رہے ہیں۔ اِن لوگوں نے ہم سے یہ بھی کہا کہ بلدیاتی انتخابات نہ کروائے جائیں، خون خرابا ہو گا اور ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ دوسرے انہوں نے یہ کہا کہ اگر ہم بلدیاتی انتخاب کروائیں گے تو سیاسی پارٹیاں اس کا بائیکاٹ کریں گی اور آپ تو چار آدمی بھی کھڑے نہیں کر سکیں گے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ جناب میں سیاسی آدمی تو نہیں ہوں، لیکن مَیں نے بھی سیاست سے تھوڑی بہت آگاہی حاصل کر لی ہے تو یہ میرے اور اُن کے آخری مذاکرات کی روداد تھی۔ جب میں بلوچستان کا دورہ کر کے واپس آیا ہوں تو مَیں نے انہیں بتایا کہ میں بلوچستان کے چپّے چپّے میں پھرا ہوں۔ عوام نے ہر جگہ، سب سے پہلے یہی مجھ سے کہا ہے کہ خدا کے واسطے مرکزی اور صوبائی الیکشن وغیرہ کو چھوڑ دیں، بلدیاتی انتخابات کروائیں تا کہ لوگوں کے

مسائل حل ہوں۔ اِس پر سیاسی حضرات نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ آپ یہ انتخابات کروا کے دیکھ لیں۔ ہم آپ کو چیلنج کرتے ہیں۔ یہ سُن کر تو سچی بات ہے میں ڈر ہی گیا تھا۔ بہرحال ہم نے تمام حالات کا جائزہ لے کر اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ کر اِس کام کا آغاز کر دیا ہے۔ اب حالات آپ کے اور میرے سامنے موجود ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ جب انشاء اللہ دو چار روز کے بعد انتخابات ہوں تو ہم صحیح نمائندوں کا انتخاب کریں جو تمام ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہوں۔ ہر صوبائی حکومت میں اور خاص طور پر صوبہ سرحد کی حکومت نے ترقیاتی مقاصد کے لئے رقوم بھی مختص کی ہوئی ہیں۔

ہمارے ایک سیاسی لیڈر ہیں۔ انہوں نے پچھلے دنوں بیان دیا ہے کہ اوّل تو ہم یہ انتخابات ہونے ہی نہیں دیں گے اور اگر یہ انتخابات کروا دیئے گئے تو جیسے ہی ہم برسرِ اقتدار آئیں گے ہم ان اداروں کو ختم کر دیں گے۔ اگر ہم ختم بھی نہیں کرتے تو یہ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے انہوں نے اللہ میاں سے الاٹمنٹ کا پرمٹ لیا ہوا ہے کہ یہی الیکشن جیتیں گے اور کوئی دوسرا نہ جیت سکے گا۔ ان کی طرف سے بلدیاتی اداروں کے خاتمے کا اعلان تو ایسے ہی ہے جیسے حکومت کے پاس ان اداروں کو ترقیاتی کاموں کے لئے دینے کے لئے کوئی پیسہ ہے ہی نہیں۔ ان سے پُوچھئے کہ یہ جو ہزاروں کروڑ کا بجٹ میں نے منظور کیا تھا اور جس سے فضل حق صاحب اپنے صوبے کا نظام چلا رہے ہیں، وہ رقم کہاں سے آئی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جنرل فضل حق صاحب نے صوبہ سرحد کے لئے جو نظام تشکیل دیا ہے، اس کے تحت ترقیاتی رقوم کی تمام تر ذمہ داری بلدیاتی نمائندوں پر ہو گی اور ہم نے یہ

بھی فیصلہ کیا ہے کہ انتظامیہ کے ساتھ بلدیاتی نمائندوں یا اداروں کا تعلق اتنا ہی ہو گا جتنا کہ ہونا چاہیئے ۔ ڈپٹی کمشنر ضلعی سطح پر EX-OFFICIO سیکرٹری ہو گا ۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین آپ کے چُنے ہوئے نمائندوں میں سے ہوں گے ۔ اگر چیئرمین کام نہیں کرتا تو آپ اُسے ہٹا سکیں گے ، دوسرا چُن سکیں گے ۔ یہ ہے صحیح معنوں میں جمہوری نظام ۔ اگر آپ اسے کامیاب بنائیں گے تو میرے خیال میں ہمارا مسئلہ جو ۹۰ فیصد معاشی و اقتصادی نوعیت کا ہے ، حل ہو جائے گا ۔

آپ کو یاد ہو گا پچھلے دنوں جب ہم کلب میں تھے ، اس وقت آپ میں سے بہت سے حضرات موجود تھے ۔ جب مَیں نے حاضرین کو سوالات کی دعوت دی تو عمومی طور پر یہ کہا گیا کہ ہمارے گاؤں میں بجلی نہیں ہے ، ہمارے گاؤں میں سکول ہونا چاہیئے ، مڈل سکول کو ہائی کر دیجئے ، یہاں سے وہاں تک سڑک ہونی چاہیئے ، ہسپتال ہونا چاہیئے ، ڈسپنسری منظور کر دیجئے ، وغیرہ وغیرہ ۔ اِس کے علاوہ کسی نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ آسمان سے من و سلویٰ اتار لایئے ۔ اِن تمام باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ ہمارے نوّے فی صد مسائل ایسے ہیں جو بلدیاتی سطح پر حل ہو جائیں گے ۔ اِن مسائل کے حل کے لئے جتنی بھی رقم ترقیاتی مد میں رکھی گئی ہے ، وہ سب آپ کے اختیار میں ہو گی ۔

ہم نے زکوٰۃ اور عشر کا نظام بھی نافذ کیا ہے اور اس مقصد کے لئے ہم نے دو سو پچاس کروڑ کی رقم مختص کی ہے ۔ اِس رقم میں سے ایک سو پچاس کروڑ صرف زکوٰۃ کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں ۔ زکوٰۃ کے معاملات سے نمٹنے کے لئے زکوٰۃ کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں ۔ اِن کمیٹیوں کا کام اپنی جگہ ہے ، لیکن میرے خیال میں زکوٰۃ کا نظام صحیح معنوں میں صرف عوام کے منتخب بلدیاتی نمائندے

ہی چلا سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ باعمل انسان ہوں کیونکہ زکوٰۃ کے سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ جس کسی کے سپرد کی جائے وہ امین ہو، باعمل ہو اور صحیح مسلمان ہو تاکہ وہ غریبوں کا خیال رکھ سکے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں، ہر شخص اپنے حصّے کی زکوٰۃ نکالے اور پھر یہ زکوٰۃ ایک بیت المال میں جمع ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی محلّہ میں کوئی آدمی غریب رہ جائے، بیوہ غریب رہ جائے یا کوئی یتیم نادار رہ جائے یا کسی کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے پیسے نہ ہوں اور پہننے کے لئے کپڑے نہ ہوں۔ یہ نظام اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ہے اور رسولِ اکرمؐ نے ہم تک پہنچایا ہے اور ہماری آنے والی نسلوں تک مخصوص رہے گا۔ اگر ہم اِسے خلوصِ دل سے نافذ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیاب نہ ہوں۔

اِس کے علاوہ میں دو اور باتوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ چونکہ صوبہ سرحد کا تعلق خاص طور پر ہمارے پڑوسی ملک افغانستان کے ساتھ ہے، اس لیئے ہماری کوشش یہ ہے کہ افغانستان کے ساتھ ہمارے تعلقات اور اچھے ہوں، لیکن اپریل ۱۹۷۸ء کے بعد افغانستان میں جو عوامل رونما ہوئے ہیں اور موجودہ حکومت برسرِ اقتدار آئی ہے، ہمارے اور اُن کے درمیان شکوک وشبہات کی فضا نے جنم لیا ہے۔ یہ ہم سب کو معلوم ہے۔ ہوانا میں میری صدر ترہ کئی سے ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے ان کو بتا دیا ہے کہ وہ اپنے ملک کے اندر ایسے حالات پیدا کریں جن سے عوام فائدہ اٹھا سکیں۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ ہم آپ کے اندرونی معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے، لیکن ہمیں آپ کے ملک کے اندر آباد ۸۹ فیصد مسلمانوں کے بارے میں تشویش ہے۔ میں نے

یہی الفاظ کہے تھے کہ آپ وہاں اسلام کا پرچم بلند کریں۔ میں نے کہا تھا کہ اگر آپ کوئی اور نظریہ رکھتے ہیں تو کم از کم دکھاوے کی خاطر ہی اسلام نافذ کر دیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ جنرل صاحب میں بہت کچھ کر رہا ہوں۔ میں بحمداللہ مسلمان ہوں، لیکن لوگ مجھے کافر کہتے ہیں۔ آپ نے میری عید کی تقریر نہیں سُنی۔ میں نے آغاز ہی بسم اللہ سے کیا تھا۔ میں ہر جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر ادا کرتا ہوں۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ دکھاوے کے لئے یا صحیح معنوں میں۔ وہ کہنے لگے کہ یہ میرا اور میرے مولا کا معاملہ ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر میں نے اُن کو بتایا کہ دیکھئے میں مسلمان آدمی ہوں اور اس وقت پاکستان کے عوام اور ملک کی ذمّہ داری میرے کندھوں پر ہے۔ ہمارے ملک میں اِس وقت ایک لاکھ پچھتّر ہزار مہاجرین موجود ہیں۔ وہ آپ کا ملک چھوڑ کر ہمارے ہاں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ بحیثیت مسلمان پڑوسی ہونے کے میرا یہ فرض ہے کہ اگر اُن کے لئے کچھ اور نہیں ہو سکتا تو کم از کم انہیں رہنے کی اجازت ہی دے دی جائے اور ہم انہیں دے بھی کیا رہے ہیں۔ چار روپے یومیہ۔ آج کے زمانے میں چار روپے میں کیا خریدا جا سکتا ہے۔ میں نے ان پر یہ بھی واضح کیا کہ پاکستان کوئی امیر ملک نہیں ہے، پھر بھی ہم اِس معاملے پر کوئی سودا بازی نہیں کر سکتے۔ جب تک افغانستان کے عوام بطور مسلمان ہونے کے پاکستان میں پناہ لینا چاہتے ہیں، میرا اور میری قوم کا فرض ہے کہ پہلے ان کے خورد و نوش کا بندوبست کریں اور پھر اپنے منہ میں نوالہ ڈالیں۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، ہم بات چیت کریں گے۔ میں نے آخر میں پھر اُن کو تلقین کی کہ وہ اپنے ملک کے اندر ایسے حالات پیدا کریں تا کہ لوگ آپ کا ملک چھوڑ کر ہمارے پاس نہ آئیں، لیکن اگر کوئی ہمارے پاس آتا

ہے تو ہم اُسے اپنے پاس رکھنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ اگر وہ جانا چاہے تو بڑے شوق سے۔ جب تک وہ یہاں رہیں گے جو روکھی سوکھی ہم کھاتے ہیں وہی اُن کو کھلائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کی خاطر اُن کے خلاف کوئی کارروائی کریں۔ سو آپ کو اُن حالات کا علم ہونا چاہیئے جو اِس وقت افغانستان کو درپیش ہیں۔ اور اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ صدر ترہ کئی زندہ ہیں یا مُردہ ہیں۔ حفیظ اللہ امین جو موجودہ صدر ہیں، ہم اُن سے بھی تعاون کرتے رہیں گے کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ دو مسلمان پڑوسی ملکوں کے تعلقات بہتر ہوں۔ اس سلسلے میں ہم سے جو کچھ بھی ہوگا ہم کریں گے اور ہم ان سے بھی توقع کریں گے کہ وہ ہمارے ساتھ ایک اچھے پڑوسی کی طرح رہیں، اُن کا رجحان روس کی طرف ہے یا کسی اور طرف، ہمارا اِس سے کوئی تعلق نہیں، ہم انہیں بطور پڑوسی دیکھیں گے اور امید رکھیں گے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ وہی سلوک کریں جو ہم اُن کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہمارے سلوک کی بنیاد اسلامی افہام وتفہیم ہے۔

جہاں تک ایران کا تعلق ہے، ہماری اُن کے ساتھ سرحد ملتی ہے۔ ایران ایک اسلامی ملک ہے۔ ہمارے اُن کے ساتھ ماشاءاللہ بہت اچھے تعلقات ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالٰی انہیں استحکام بخشے اور پاکستان میں بھی استحکام لائے۔ تمام اسلامی ممالک کے اندر استحکام پیدا ہو۔ جہاں تک اندرونِ ملک کا تعلق ہے۔ میں نے شروع میں ہی کہا کہ ہمارا مسئلہ سیاسی نہیں معاشی ہے۔ اُس کا معاشی حل ہونا چاہیئے۔ اس لئے ہم سب کا فرض ہے کہ ہم محنت سے کام کریں۔ فیکٹری کے مزدور سے ہمیں توقع ہے کہ وہ محنت کرکے پیداوار بڑھائے۔ زمیندار سے ہمیں امید کرنی چاہیئے کہ محنت کرکے اناج بڑھائے۔

طالب علم سے ہمیں توقع ہے کہ وہ محنت کر کے اچھا بنے۔ جب تک ہم اس چیز کی طرف توجہ نہیں دیں گے، اس وقت تک ترقی محال ہے، لیکن میں پاکستانی عوام سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔ اُن کے اندر وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو کہ زندہ قوموں میں ہونی چاہئیں، بلکہ اُن سے بھی زیادہ ہیں۔ مجھے اطمینان اور تسلّی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ضرور مدد کریں گے بشرطیکہ ہم خود بھی اپنی مدد کرنے کا اصول اپنائیں۔ اگر ہم صحیح معنوں میں سچّے مسلمان بن جائیں اور ملک کے اندر جو ذرائع ہیں، اُن کو صحیح طور پر بروئے کار لائیں تو ہمیں کسی سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مَیں نے کراچی میں بھی کہا تھا کہ جو قومیں بھیک مانگنے کی عادی ہو جاتی ہیں وہ اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ آج ہمارے ساتھ کچھ زیادتی کی جا رہی ہے۔ بعض ممالک جن میں امریکہ سرفہرست ہے، ہم پر اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایٹمی توانائی کے استعمال کے سلسلے میں دباؤ ڈال رہا ہے۔ اِس سلسلے میں مَیں کچھ کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جب تک میں اور میرے عزیز رفیق، جنرل فضل حق صاحب ایک ساتھ ہیں اور جب تک اِس قوم کی، ملک کی ذمہ داریاں ہم پر ہیں، اِس معاملے پر کوئی سودے بازی نہیں ہو گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بم بنا رہے ہیں۔ کون کیا بنا رہا ہے اور کیا کر رہا ہے اِس کا فیصلہ بعد میں ہو گا۔ فی الحال مَیں آپ کو یہ بتا دوں کہ ایٹمی ٹیکنالوجی ایک تلوار کی طرح ہے۔ اِس سے آپ اپنا گلا بھی کاٹ سکتے ہیں اور اپنی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ اس کا انحصار اس کے استعمال کرنے والے پر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اِس قابل بنایا ہے اور ہمارے پاس اِس قسم کے لوگ موجود ہیں، ایک نہیں کئی، جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی اہلیت بخشی ہے کہ وہ آج کی دنیا

میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں اور بعض بعض شعبوں اور مضامین میں وہ اہلِ مغرب سے بھی آگے ہیں تو یہ ہمارے لئے ایک سنہری موقع ہے جو پھر نہیں ملے گا۔ اِس لئے میری پوری کوشش ہے کہ خواہ کوئی ملک ناراض ہو یا خوش ہو، کوئی چاہے یا نہ چاہے، اِس عمل کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ میں وصول کروں گا، لیکن آپ پر واضح کر دوں کہ آج اگر ہم کسی وجہ سے اِس عمل کی تکمیل نہیں کر سکتے تو یہ امانت ہے اور آپ کو اس کی حفاظت کرنا ہو گی۔ کل کو اگر کوئی سیاسی حکومت آئی اور اس نے کوئی سودے بازی کر لی تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے، قوم ہو گی کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس سلسلے میں کامیابی عطا کرے اور ہم پاکستان کی طاقت کو بڑھانے کے لئے اس میں موجود انرجی کے ذرائع کا صحیح استعمال کریں۔

آج غیر ممالک میں پاکستان کا ایک مقام ہے۔ بعض ممالک ہم سے محبّت کرتے ہیں۔ آج سے نہیں، آج سے تیس سال پہلے سے، بعض لوگوں نے ہمیں ابھی اپنایا ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں، اسے ایک چھوٹی سی افواہ سمجھ لیجئے، خبر سمجھ لیجئے کہ پاکستان عنقریب ایٹمی ٹیکنالوجی کی اہلیت کے اس موڑ پر پہنچنے والا ہے جہاں پر وہ بم بنا سکے گا۔ صرف اِس کی بنیاد پر، میں نے ہوانا میں محسوس کیا کہ جو لوگ پاکستان کی طرف نظر بھی نہیں کرتے تھے، یہ سمجھتے ہوئے کہ ساڑھے سات کروڑ آبادی پر مشتمل چھوٹے سے ملک کی کیا اہمیّت ہو سکتی ہے، یہ تو ابھی کل آزاد ہوا ہے، دوسروں کے ٹکڑوں پر پلا ہے، ان لوگوں نے گرمجوشی سے میرے ساتھ ہاتھ ملایا ہے اور مجھ سے استفسار کے طور پر کہا کہ جنرل صاحب، آپ ایٹمی ٹیکنالوجی اپنا رہے ہیں یا نہیں اپنا رہے ؟ اگر اپنا رہے ہیں

تو ہم آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بتایئے آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے، پیسہ چاہیئے، آدمی چاہیئے یا سامان چاہیئے۔ میں نے کہا جناب آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ ہمارے پاس اتنی اہلیت موجود ہے کہ ہم اپنے ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے آدمیوں سے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب کامیابی حاصل کر کے رہیں گے۔ یہ چند چیزیں میں آپ کو بتانا چاہتا تھا۔ اب بجائے اس کے کہ میں آپ کو ایک لمبا چوڑا لیکچر دوں، آپ حضرات کی تشریف آوری کا بہت مشکور ہوں کہ یہی ایک موقع آپس میں گفتگو کرنے کا حاصل ہوا اور ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھنے میں مدد ملی۔ اب یہ بھی لازم ہے کہ اگر میں اتنی دیر آپ کی سمع خراشی کرتا رہا ہوں تو آپ کو بھی اظہارِ خیال کی دعوت دی جائے، لیکن وقت کی کمی کے پیشِ نظر تقریر کرنے کا حق تو مجھے ہے اور سوالات پوچھنے کا آپ کو۔ سو میں عرض کروں گا کہ اگر آپ کوئی سوال کرنا چاہیں یا میری یا گورنر صاحب کی توجہ کسی مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہیں تو بسم اللہ، آپ باری باری شروع کیجئے۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات جو تجاویز پیش کریں گے، میں اپنے اختیارات کے مطابق اُن پر ضرور عمل کروں گا۔ شکریہ!

لالہ موسیٰ کے شہریوں سے خطاب

۲۳ ستمبر ۱۹۷۹ء

عوامی رابطے کی مہم کے سلسلے میں صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاؑ الحق نے لالہ موسیٰ کے شہریوں سے خطاب کیا۔ اپنی تقریر میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے بارے میں اپنی حکومت کے اقدامات کی توضیح کی۔ انہوں نے کہا کہ تشدّد سے دل نہیں بدلتے اس لئے معاشرے کی تطہیر کا موزوں طریقہ تبلیغ ہے جو دلوں اور ذہنوں کو بدلتا ہے۔ اسلام کے اوّلین دور میں بھی طریقۂ کار اپنایا گیا اور اسی پر ہم عمل پیرا ہیں کیونکہ اس کے ثمرات شیریں اور نتائج دیرپا ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسلامی تعزیرات کے نفاذ میں بھی تدریج کا راستہ اختیار کیا گیا۔ معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کے لئے انہوں نے عوام سے تعاون کی اپیل کی۔

بلدیاتی انتخابات کے سلسلے میں صدرِ پاکستان نے کہا کہ اگر رائے دہندگان نے فرض شناسی سے اپنے حقِ رائے دہی کا استعمال کیا تو اُن کے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ انہوں نے ووٹروں کو مشورہ دیا کہ انتخاب سے پہلے امیدواروں کو پرکھیئے، اسلامی ذہن رکھنے والوں کو ووٹ دیجئے اور انتخابات کے بعد اُن کی کارگزاری پر نظر رکھیئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

جناب گورنر صوبہ پنجاب، جنرل سوار خان صاحب،
میاں رضی الدین صاحب
اور
معزز حاضرین!

السّلام علیکم۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ گجرات جیسے ضلع میں آنے کا مجھے موقع ملا۔ میں آج بطور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نہیں بلکہ ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہوں۔

رضی الدین صاحب نے کہا ہے کہ ہماری حکومت کا کارنامہ یہ ہو گا کہ ہم مقامی حکومت کو قائم کر کے جائیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ ساتھ جس چیز کا ہمیں اور زیادہ فخر ہے وہ ہے نظامِ اسلام۔ ابھی ہمیں اس میں اتنی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ نظامِ اسلام کا ذکر فیض احمد صاحب نے بھی کیا ہے۔ میں بھی اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں جناب فیض احمد صاحب کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے نہایت

خلوص سے اور بڑے حوصلہ افزا انداز میں کہا ہے کہ اب یہاں اسلام کا چرچا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ مسجدیں آباد ہو رہی ہیں۔ میں ان کی رائے سے کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں، لیکن آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نظامِ اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں بہت سے شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں، جن میں کچھ جائز ہیں اور کچھ ناجائز۔ مقامی حکومت کا بھی ذکر کروں گا، لیکن پہلے میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو میں نے اقتدار سنبھالنے کے بعد جو تقریر کی تھی اس میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہم انشاء اللہ اس عرصے کے دوران نظامِ اسلام قائم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ آج دو سال کے عرصے کے بعد جہاں مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اور میرے رفقا نے عوام کے تعاون سے کچھ پیش قدمی کی ہے وہاں مجھے یہ بھی احساس ہے کہ اس سلسلے میں ہم لوگوں کی توقعات کے مطابق کام نہیں کر سکے۔ پچھلے دنوں ایک غیر ملکی صحافی نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے نظامِ اسلام قائم کیا ہے، لیکن کیا نظامِ اسلام کی روح اور شکل صرف کوڑوں کے اندر رہی ہے۔ میں نے ان سے کہا۔ دیکھئے، میں پہلے تو آپ کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ ہم نے نظامِ اسلام کی چار حدود کے متعلق قوانین ضرور فراہم کئے ہیں، لیکن ابھی تک جو کوڑے لگتے رہے ہیں وہ مارشل لاء کے تحت لگتے رہے ہیں۔ اسلام کے نام پر ابھی تک کوڑے نہیں لگائے گئے۔ جب اسلام کے نام پر کوڑے لگیں گے تو پھر جرائم ختم ہو جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کوڑوں کی سزا نہایت موزوں اور پر اثر ہے، لیکن ابھی تک ہم نے اسلام کے نام پر کوڑے نہیں لگائے۔ البتہ اسلام کے نام پر ہم نے کچھ کام کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ پاکستان کے مسلمانوں میں اسلام کی روح قائم رہے۔ اس سلسلے میں ہم نے کچھ کام فرد کی اصلاح کے لئے کیا ہے اور کچھ

معاشرے کی اصلاح کے لئے، لیکن ہم سے جو توقعات تھیں اس کا بھی میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جس وقت ۵ جولائی کے بعد میں نے نظامِ اسلام کا ذکر کیا اور پھر بارہ ربیع الاوّل دس فروری کو اس کا ذکرِ خیر ہوا تو اس وقت لوگوں کی توقعات یہ تھیں کہ آج کے بعد نہ تو پاکستان میں کوئی چور رہے گا اور نہ کوئی زانی، نہ ہی کوئی ایسا شخص رہے گا جو لوگوں پر یا معاشرے پر اپنے اثر و رسوخ سے غلط اثرات مرتب کرے۔ میں نے اس سلسلے میں کراچی میں اس کا ذکر کیا تھا کہ لوگوں نے ہم سے جائز توقعات وابستہ کی تھیں، لیکن معاشرے کو ایک رخ سے دوسرے رُخ پر بدلنا، ایک غیر اسلامی روح سے اسلامی روح کی طرف لانا، یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے اور اس کے لئے بہت عرصہ درکار ہے یا تو آپ یہ کہیئے کہ ہم اس قسم کا انقلاب لاتے کہ سب چیز نیست و نابود ہو جاتی اور گیہوں کے ساتھ گُھن بھی پسنے دیا جاتا اور ہم ایک دم تمام شہروں میں اس قسم کا انقلاب لاتے کہ گناہ گار اور بے گناہ سبھی ایک دم متاثر ہوتے تو پھر آپ کی توقعات ہم سے جائز ہوتیں، لیکن اس کے لئے بہت زیادہ قربانی دینی پڑتی۔ قربانی اس لحاظ سے کہ اس کے لئے خون لازمی بہتا۔ اب آپ یہ بھی مجھ سے کہہ سکتے ہیں کہ جناب اگر اسلام لانا چاہتے ہیں، اس کے لئے کوئی قربانی دینی پڑے یا خون بہانا پڑے وہ بھی جائز ہے۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں، لیکن جو طریقۂ کار ہم نے اختیار کیا ہے وہ اسلام کی صحیح رُوح کے مطابق تھا اور وہ اس لئے کہ آج سے ۳۲ سال پہلے جب پاکستان بنا تو یہ اسلام کے نام پر بنا اور جو قربانیاں دی گئیں، ان میں خون بہہ چکا ہے۔ آپ نے، میں نے یا ہمارے عزیز و اقارب نے قربانیاں دی تھیں جن کی وجہ سے یہ پاکستان بنا۔ اس لئے ہمارا طریقہ پُرامن تھا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ اگر آپ اسلامی تاریخ کا جائزہ لیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ سب سے پہلے جس چیز کی طرف توجہ دی گئی

وہ فرد کے اعمال کو صحیح کرنا تھا۔ رسولِ اکرمؐ کے دورِ تاریخ کا جائزہ لے لیجئے۔ اس کے بعد صحابۂ کرامؓ کے عہد کا جائزہ لے لیجئے اور تبعِ تابعین کے دور کا۔

جہاں جہاں اسلام کا نام لیا گیا ہے وہاں یہ چیز نمایاں نظر آئے گی کہ سب سے پہلے یہ کوشش کی گئی کہ فرد کو صحیح کیا جائے۔ فرد کے عمل کو اسلامی نظریے میں ڈھالا جائے۔ جب فرد ٹھیک ہو گیا تو معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ جو کمی رہ جائے گی اس کو بطور معاشرہ صحیح کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہم نے جو قوانین بنائے، ان کے لئے دو طریقۂ کار ہیں۔ یا تو ہم ایسی اسپیشل عدالتیں بنا دیتے جن کے اندر قاضی ہوں یا اسلام پسند آدمی ہوں اور ان کے لئے ایک نیا قانون بنایا جاتا اور تعزیرات کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاتا۔ دوسرا طریقہ ہمارے پاس یہ تھا کہ موجودہ طریقۂ کار کے مطابق اس کو چلایا جائے۔ اب آپ موجودہ حالات میں بھی دیکھئے کہ لوگ کہتے ہیں کہ تین تین قسم کے قانون رائج ہیں۔ مارشل لا کا قانون، پاکستان کا عام قانون اور اسلامی قانون۔

چوہدری فیض احمد صاحب نے ذکر کیا ہے کہ مہنگائی ہے اور جرائم بھی ہیں۔ مجھے مہنگائی کی اتنی فکر نہیں جتنی جرائم کی فکر ہے۔ ان سے معاشرے کو پاک کرنے کے لئے ہم نے یہ طریقۂ کار اختیار کیا کہ موجودہ طریقۂ عدل کو یہ اختیار دے دیئے جائیں کہ وہ اسلامی قوانین کا بھی جائزہ لیں اور آج کل جہاں میں بہت سی کمزوریوں کی نشاندہی کر رہا ہوں، وہاں رشوت اور جرائم کے بارے میں بھی ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تمام محکموں میں رشوت ستانی پہلے سے زیادہ ہو گئی اور اس کا قصور صرف رشوت لینے والوں پر ہے، بلکہ میرے نظریے کے مطابق رشوت دینے والا لازیادہ قصوروار ہے۔ اگر آج ہم تہیّہ کر لیں کہ اگر مسائل کو حل کرنے میں کچھ تاخیر ہوتی ہے تو اس کو ہم برداشت کر لیں گے، لیکن رشوت نہیں دیں گے، تو آپ دیکھئے معاشرے میں ۹۰ فیصدی رشوت آج ختم ہو

جائے گی ۔جب رشوت دینے والا موجود ہو تو لینے والے بہت پیدا ہو جاتے ہیں ۔سب سے زیادہ جو محکمہ اس وقت بدنام ہے وہ پولیس ہے۔اس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ جب کسی آدمی سے غلطی سرزد ہوتی ہے اور وہ کوئی جرم کرتا ہے تو پولیس والا سب سے پہلے یہ پوچھتا ہے کہ بھئی بتاؤ مارشل لا کی عدالت میں جانا چاہتے ہو، اسلامی عدالت میں جانا چاہتے ہو یا عام عدالت میں، تو وہ کہتا ہے عام عدالت میں جانے دو کیونکہ وہاں ممکن ہے بچ جائیں ۔

اس وقت سب سے کم ڈر عام قانون کا ہے۔اس سے زیادہ مارشل لا کا اور سب سے زیادہ اسلامی قوانین کا ۔اسی حساب سے رشوت لی اور دی جاتی ہے۔مجرم سوچتے ہیں کہ اگر ہاتھ کٹ گیا تو پھر مشکل ہو جائے گی ۔اگر سنگسار کر دیا گیا تب جان جائے گی۔ اگر اسّی کوڑے لگ گئے تو تب بھی مشکل ہو جائے گی ۔ اس لئے جتنی رشوت مانگتا ہے دے دو تاکہ ہمارا کیس عام قوانین کے تحت درج کرے ۔ یہ ہمارے معاشرے کی حالت ہے۔

اب آپ کہیں گے کہ آپ سربراہِ مملکت ہیں، پریذیڈنٹ ہیں اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بھی ہیں۔آپ خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ سب برائیاں آپ کو معلوم ہیں تو اس کا کیا حل ہے ۔میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا حل دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ان قوانین کو صحیح معنوں میں آنکھیں بند کر کے لاگو کیا جائے ۔انصاف کی لاٹھی جب گھومے تو جو سامنے آجائے اس پہ بلا امتیاز ضرب پڑے، لیکن اس کے لئے تھوڑی سختی کرنی پڑے گی۔کراچی میں جب میں نے ذکر کیا تو اس پہ دو سوالات اٹھے۔ ایک خاتون آئیں۔انہوں نے کہا کہ حضور آپ سختی ضرور کریں، لیکن جس وقت سختی کرنے لگیں تو یہ دیکھ لیجئے کہ سامنے عورت ہے، بچہ ہے یا آدمی کھڑا ہے۔

ایک دوسرے صاحب آئے۔ انہوں نے کہا جناب محترمہ کی بات مت سنئے آپ سختی کیجئے تاکہ معاشرے کی تطہیر ہو، لیکن ہم نے زیادہ نرمی سے کام لیا۔ وہ اس لئے کہ میرے نقطۂ نظر سے اسلام کو نافذ کرنے کے لئے بجائے سختی کرنے کے ہمیں ذہن کی تطہیر کرنی چاہیئے۔ اگر آپ نے ایک شخص کو صحیح معنوں میں مسلمان کر دیا ہے تو وہ آگے دس آدمیوں کو صحیح کرے گا۔ اگر آپ نے دس مسلمانوں کو ایک گھنٹے کے لئے صحیح کر دیا ہے تو وہ دس آدمی اور سو آدمیوں کو خراب کریں گے۔ یہ میرا ایمان ہے، تو ہم یہ کوشش کر رہے ہیں کہ عام تطہیر کے ذریعے انسان کا دماغ صحیح ہو۔ صحیح معنوں میں وہ اسلام کو سمجھے اور صحیح معنوں میں اپنے کردار و فعل کا جواب دہ ہو۔ اگر آپ فرد کا فعل ٹھیک کر دیں تو معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں ہماری حکومت کو اس چیز پر فخر بھی ہے۔ ہمیں کچھ افسوس بھی ہے کہ ہم عوام کی توقعات کو پورا نہیں کر سکے، لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا صلہ دیا ہے اور میں عوام کا مشکور ہوں کہ ہماری حکومت کے ساتھ ان کے تعاون کے بعد آج پاکستان میں اسلام کا نام لیا جا رہا ہے اور اکثر و بیشتر لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر ہر لحاظ سے اسلامی حکومت آنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں انشاء اللہ آئندہ وقت میں اور ترقی ہو گی۔

اب میں مقامی حکومت کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جس میں آج ہم ایک دوراہے پر کھڑے ہیں۔ پندرہ سال بعد مقامی حکومت کے الیکشن کروانا کوئی بڑی بات نہیں، لیکن اگر پندرہ سال بعد بھی صحیح معنوں میں بنیادی سطح پر ہم کچھ اسلامی حکومت کا نقشہ ڈھال سکیں تو میرے خیال میں وہ چیز زیادہ سود مند ہو گی۔ ہم نے مقامی سطح پر لوکل باڈیز کے لئے، لوکل سیلف گورنمنٹ کے لئے جو قانون بنایا ہے اس کا سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ سیاسی پارٹی کی بنا پر الیکشن نہیں لڑے جائیں

گے۔ یہ انتخابات آدمی کی اپنی اہلیت کی بنا پر ہوں گے۔ اگر وہ کسی سیاسی پارٹی کا ممبر ہے، کارکن ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن وہ جو الیکشن لڑے گا یا اپنی خدمات عوام کے سامنے پیش کرے گا تو وہ بطور ایک انسان کے اپنی اہلیت کی بنا پر کرے گا. پاکستان کے عوام سے میری درخواست ہے کہ مقامی حکومت کے لئے آپ جو نمائندے چنتے ہیں آپ ان کا خود جائزہ لیجئے. مقامی سطح پر دیکھئے کیونکہ وہ آپ کے محلے اور شہر کے رہنے والے ہیں، آپ کی یونین کونسل کے ممبر ہیں، آپ کے ضلع کے ممبر ہیں۔ آپ نے ان کو ووٹ دینا ہے اور آپ سے بہتر ان کا کوئی آدمی جائزہ نہیں لے سکتا۔ میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ ان آدمیوں کو چنیں جن کا ذہن اسلامی ہو، جو اسلامی اقدار کو لانے کا آپ سے وعدہ کریں اور اگر وہ اس پر قائم نہیں رہتے تو پھر آپ ان کا گریبان پکڑ سکیں۔ اگر کسی شخص نے اپنا یہ وعدہ پورا نہیں کیا ہے کہ وہ اسلامی وقار کو بلند کرے گا، آپ کی خدمت کرے گا تو اس کا احتساب کیجئے۔ اگر یہ صورت حال ہو تو میں چوہدری صاحب کی تجویز پر بھی غور کرنے کے لئے تیار ہوں کہ کارکردگی بہتر کرنے کے لئے ان کی میعاد دو سال رکھی جائے اور جائزہ لینے کے بعد صوبائی حکومت اس کا فیصلہ کرے۔

یہ تو موٹی موٹی سی باتیں ہیں جن کا میں کئی دفعہ پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں. میں آپ کا نہایت مشکور ہوں کہ آپ میں سے کافی حضرات بہت دور دراز سے تشریف لائے ہیں. میرا آپ سے ملنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر آج ہم نے اپنے مقامی نمائندے چننے کے لئے کوئی اور معیار یا طریقہ کار اختیار کیا تو پھر آئندہ سے ہم اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے حقدار نہیں۔ میں تو یہاں تک یہ کہہ رہا ہوں کہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے جو الیکشن ہوئے ہیں، اس میں بھی ہمیں چاہیئے کہ ہم کسی طرح اسلامی

اقدار لائیں ۔اسلام کا تو یہ حکم ہے کہ جب آپ مجلس شوریٰ کے لئے نمائندے چنیں یا اپنا کوئی لیڈر چنیں یا اپنا کوئی صدر مملکت چنیں اور وفاقی سطح کے اوپر، صوبائی سطح کے اوپر اپنے نمائندے چنیں تو آپ پر یہ لازم ہے کہ ایسے لوگوں کی پوری طرح پرکھ خود کرلیں ۔جو شخص یہ کہے کہ میں آپ کی خدمت کروں گا اور میں سب سے اچھا آدمی ہوں، میں نے اسلام کا نام لیا ہے، میں نے یہ کہا ہے، میں نے وہ کہا ہے، اس پر مت یقین کریں ۔آپ اپنے ذہن سے، اپنے تجربے سے ان آدمیوں کو چنیئے جو صحیح معنوں میں آپ کی خدمت کرسکیں ۔

میں آپ حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ بتائیے موجودہ طریقۂ کار کو اسلامی طریقۂ کار کہا جا سکتا ہے ۔اسلام کے اندر تفرقہ بازی کا تو ذکر ہی نہیں ۔اگر ۱۴ پارٹیاں یا پندرہ پارٹیاں یا بارہ پارٹیاں آپس میں نااتفاقی یا تفرقہ بازی پیدا کرنا چاہتی ہوں تو آیا اسلام کے نقطۂ نظر سے ان کو اس تخریب کاری کی اجازت دی جا سکتی ہے ۔یہ آپ کے اور میرے سوچنے کی بات ہے ۔وہ تمام لوگ جو ظاہری طور پر اسلام کا نام لیتے ہیں اور ان کے اعمال غیر مسلمانہ ہیں تو کیا صرف ان کی زبان پر اعتبار کرلیا جائے ۔

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور نظریاتی ملکوں کا استحکام اور ان کی بقا نظریے کے ساتھ رہتی ہے ۔اگر آپ نے نظریے کو بھلا دیا تو کل آپ کہیں گے کہ پاکستان ایک سیکولر ملک ہے، ایک لادینی ملک ہے، یہاں پر سب آزاد ہیں، مسلمان اپنا کام کریں، ہندو اپنا اور سکھ اپنا کام کریں تو یہ چیزیں یہاں نہیں چل سکتیں ۔یہاں صرف اسلام کے نام پر حکومت قائم ہوگی، اسلام کے نام پر تمام ادارے قائم ہوں گے کیونکہ یہ پاکستان کی بقا کے لئے ضروری ہے ۔پاکستان کے نظریے پر کوئی سودے بازی نہیں ہوسکتی ۔اس لئے میں آپ سے

یہ گزارش کروں گا کہ اپنے نمائندے صحیح چنئیے اور پھر ان سے توقع کریں کہ وہ ہر کام اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ گجرات کے زندہ دل مسلمان ایسے نمائندے چنیں گے جن پر نہ صرف گجرات بلکہ پورے پنجاب اور پورے پاکستان کو فخر ہو۔ شکریہ، نوازش، والسلام علیکم !

گوجرانوالہ میں زراعتی فارم پر چاول کے کاشتکاروں اور معززین شہر سے خطاب

۲۳ ستمبر ۱۹۷۹ء

گوجرانوالہ میں صدرِ پاکستان نے چاول کے تحقیقاتی فارم پر چاول کے کاشت کاروں اور معززین شہر سے ملاقات کی۔ یہ تقریب صدرِ پاکستان کے عوامی رابطے کی مہم کا ایک حصہ تھی۔

صدرِ پاکستان نے حکومت کی زرعی پالیسیوں کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے حکومت ہر ممکن سہولت مہیا کرے گی. زرعی مسائل کے علاوہ انہوں نے ملک کی سیاسی صورت حال کا بھی تفصیلی جائزہ پیش کیا اور کہا کہ بلدیاتی اداروں کا انتخاب جمہوریت کی اصلی بنیاد ہے جس کا مشاورت کی صورت میں اسلام میں بھی جواز موجود ہے۔ انہوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ صالح اور خدمت گزار افراد کا انتخاب کریں۔ انہوں نے اس خدشے کا بھی ازالہ کیا کہ کوئی دوسری حکومت آکر اس نظام کو منسوخ کر دے گی۔

رشوت ستانی اور مہنگائی کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر عوام اس سلسلے میں تعاون کریں اور رشوت نہ دینے اور مہنگی اشیا نہ خریدنے کا تہیہ کرلیں تو ان کا سدِباب ہو سکتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

محترم جناب گورنر صاحب،

مشیرِ زراعت صوبہ پنجاب جناب بھٹی صاحب

اور

معزز حاضرین !

السّلام علیکم۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ مجھے زیادہ سُننا چاہتے ہیں یا اپنے آپ کو کیونکہ ایسے موقعوں پر لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے دل کا غبار نکالیں اور انہیں واقعی اِس کا موقع بھی ملنا چاہیئے۔ جیساکہ ایک صاحب نے فرمایا، جو کافی حد تک درست بھی ہے، لیکن مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اونچے اونچے دفتروں میں بیٹھنے والے جن میں صدرِ پاکستان، گورنر صاحب، ڈاکٹر بھٹی صاحب اور ضلعی انتظامیہ بھی شامل ہیں، اِنہیں کیا خبر کہ چاول کی فصل کے کیا مسائل ہیں۔ مَیں آپ کو بتاتا ہوں کہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل

ہو۔ جن مسائل کی نشاندہی آپ نے کی ہے، مجھے پہلے ہی سے معلوم ہیں، لیکن باوجود نشاندہی کے اگر بعض مسائل حل نہیں ہو پاتے تو اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گورنر صاحب اُس سے بے خبر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے ہمارے مسائل اتنے گمبھیر ہو چکے ہیں کہ ان کی گتھی آہستہ آہستہ ہی سلجھے گی۔ مسائل ایک دم حل نہیں ہو سکتے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں زمینداروں کے مسائل سے آگاہ ہوں۔ مَیں خود کاشتکار نہیں، لیکن کاشتکار خاندان سے میرا تعلق ضرور ہے۔ ایسا سربراہِ مملکت ایسے ملک کے مسائل سے جس کے ستّر سے پچھتّر فیصد عوام دیہات سے تعلق رکھتے ہوں، زراعت جس ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہو، کس طرح بے خبر رہ سکتا ہے۔ اس لئے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم تمام مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اِن مسائل کا حل کیا ہے، لیکن چونکہ ہمارے وسائل محدود ہیں اس لئے مسائل یکدم حل نہیں ہو سکتے۔ آپ پچھلے دو سال کا جائزہ لیجئے۔ چاول کی قیمت ہم نے بڑھائی۔ اس طرح گیہوں کی قیمت میں بھی اضافہ کیا۔ کپاس کی قیمت بھی بڑھائی گئی۔ یہ سچ ہے کہ پچھلے دو سال میں چاول کے سلسلے میں ضرور آپ کو کچھ تکلیف کا سامنا ہوا ہے، لیکن جہاں تک زمیندار کا تعلق ہے، آپ بتایئے کہ پچھلے سال آپ نے کپاس ایک سو اڑتیس روپے کی بجائے کتنے میں فروخت کی۔ ایک سو اڑتیس روپے کی قیمت کو ہم نے اڑھائی سو تک بڑھا دیا۔ یہ سپورٹس پرائس ہے جو ہم نے اس لئے مقرّر کی ہے تاکہ زمیندار کو معاوضہ فوری طور پر مل جائے۔ یعنی گندم سستی بکے یا مہنگی، چاول برآمد ہو یا نہ ہو، کپاس بکے یا نہ بکے، لیکن زمیندار کو سپورٹس پرائس ضرور ملنی چاہیئے۔ دوسرے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر فصل

کی بوائی کے وقت کا جائزہ لے کر اعلان کیا جائے کہ اس کی اتنی قیمت ہو گی۔ بڑھے گی یا نہیں بڑھے گی۔ فصل کے بیج کی قیمت نہ تو بڑھنی چاہیئے اور نہ ہی اِس بارے میں کوئی فیصلہ کیا جانا چاہیئے کیونکہ اِس سے بہت سی خرابیاں وجود میں آتی ہیں۔ جہاں تک چاول کی قیمت کا تعلق ہے، اس سلسلے میں عرض ہے کہ چاول کی برآمد میں سب سے زیادہ آمدنی باسمتی سے ہے۔ یہ تقریباً ۹۰ فیصد بنتی ہے۔ باسمتی کی اِس وقت قیمت نوّے روپے فی من ہے۔ آج راستے میں آتے ہوئے جنرل سوار صاحب نے ایک اہم نکتہ بتایا۔ وہ یہ ہے کہ باسمتی کی برآمد سے حاصل شدہ رقم بلاشک وشبہ خزانے میں جاتی ہے، لیکن خزانہ عوام کی بہتری کے لئے خرچ ہوتا ہے۔ خزانہ کی رقم سے سکول تعمیر ہوتے ہیں۔ اس میں سے انتظامیہ کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ فوج کو بھی تنخواہ ملتی ہے، سڑکیں بنتی ہیں، بجلی مہیّا کی جاتی ہے، لیکن گورنر صاحب کا مشورہ ہے جس کی میَں تائید کرتا ہوں کہ تین اضلاع میں خصوصی طور پر گوجرانوالہ میں جو باسمتی کی فصل کا منبع ہے، باسمتی برآمد کرنے سے جو رقم حاصل ہو وہ اس ضلع کے ترقیاتی کاموں پر خرچ کی جانی چاہیئے۔ یہ رقم گوجرانوالہ کی سڑکوں، ہسپتال اور بجلی کی بہتر فراہمی پر خرچ کی جا سکتی ہے اور میَں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وقت آنے پر سب کچھ کیا جائے گا خواہ اس وقت ہم برسرِاقتدار رہیں یا نہ رہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے یا سترہ نومبر کو خبر ہے۔ آدمی کو تو کل کی خبر نہیں سترّہ نومبر تو بہت دُور ہے۔ لیکن میَں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ گیہوں کی قیمت کا اعلان اگلے ماہ اس کی کاشت سے پہلے کر دیا جائے گا۔ اِسی طرح چاول کی قیمت کا اعلان بھی کیا جائے گا۔ آپ کو موزوں معاوضہ

دیا جائے گا، میں اس کی گارنٹی دیتا ہوں۔

یہ تو تھا قیمتوں کے بارے میں آپ کا مسئلہ۔ جہاں تک سپرے SPRAY کا تعلق ہے، یہ ایک جدید طریقہ ہے جس میں جدید مشینیں بھی استعمال کی جانی چاہئیں۔ ہمارا پڑوسی ملک ہندوستان اِس تجربے سے گزر چکا ہے کہ ایریل سپرے کا فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔ ہمارا مشاہدہ بھی یہی ہے۔ گوجرانوالہ کے علاقے میں جہاں درخت زیادہ ہیں، بجلی کے بڑے بڑے کھمبے ہیں، کئی رکاوٹیں ہیں، وہاں ایریل سپرے جو ہوائی جہاز سے کیا جاتا ہے، اُس کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو رقم اِس پر خرچ ہوتی ہے وہی اگر SUBSIDY کے طور پر دے دی جائے، یا INSECTICIDE PESTICIDE کی قیمت کم کر دی جائے تو اس سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ اِس علاقے میں ہوائی جہاز سے سپرے کرنا پیسے کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک میں خاص طور پر مشرقی پنجاب میں انہوں نے ہیلی کاپٹر کے ذریعے سپرے کا طریقہ رائج کیا ہے جو جدید تر ہے۔ ہماری بھی کوشش ہے کہ چاول کی آئندہ فصل کے لئے ہیلی کاپٹر کے ذریعے سپرے کا طریقہ استعمال کیا جائے۔ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے وسائل میں اضافہ کرے تاکہ ہم گنا، چاول اور کپاس جیسی قیمتی فصلوں، جن سے ہم زرِ مبادلہ کماتے ہیں، پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے سپرے کر سکیں۔ جیسا کہ میجر صاحب نے فرمایا، ایک زمیندار نے اپنی فصل پر "ہینڈ سپرے" کیا تو کیڑے اس کی فصل سے اُڑ کر دوسرے کی فصل پر چلے گئے۔ اس لئے سپرے پورے علاقے میں ہونا چاہیئے تاکہ کیڑا تلف ہو جائے۔ اِس لئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ مسئلہ ہمارے ذہن میں ہے اور

انشاء اللہ وقت کے ساتھ ساتھ جوں ہی وسائل میں اضافہ ہوگا، مسئلے کا حل بھی آسان ہو جائے گا۔ اب تک میں نے فصلوں کی قیمتوں پر اظہارِ خیال کیا ہے جن میں گنّا اور چاول بھی شامل ہے۔ سپرے کے بارے میں بھی مَیں نے اپنے خیالات سے آپ کو مطلع کیا ہے۔

ایک صاحب نے سوال پوچھا ہے اور مجھے لگتا ہے وہ ضرور الیکشن لڑنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا ہے کہ کیا آپ مسئلۂ کشمیر کو اٹھائیں گے؟ دیکھئے صاحب! آپ نے الیکشن لڑنا ہے۔ گوجرانوالہ میں چونکہ کشمیری عوام کافی تعداد میں ہیں، آپ کا ان سے تعلق ووٹ کا ہے، مَیں آپ کو ضرور ان کے ووٹ دلواؤں گا۔ مسئلۂ کشمیر سے متعلق عرض ہے کہ اس کا اٹھایا جانا غیر وابستہ تحریک کے چارٹر کے خلاف ہے، جس کی کانفرنس ابھی ہوانا میں ہوئی ہے اور اس میں پاکستان نے شرکت کی ہے۔ اس کے چارٹر کے مطابق اگر تنازعہ دو ملکوں کے درمیان ہو تو اس کو کانفرنس میں نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اگر مسئلہ تین فریقوں کے درمیان ہو تو اس کو ایجنڈے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان حقائق کے باوجود میری یہ خواہش ہی نہیں بلکہ تمنّا تھی کہ کشمیر کے معاملے کو جسے شملہ سمجھوتا میں فروخت کر دیا گیا ہے، اسے دوبارہ اٹھایا جائے۔ مسئلۂ کشمیر پر میرا ایمان ہے۔ ہمارا یہ بھی موقف ہے کہ شملہ معاہدے کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہم اُس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن مسئلۂ کشمیر بھی اپنی جگہ ہے جس کا کچھ نہ کچھ حل ضرور تلاش کیا جانا چاہیئے۔ پچھلے سال واجپائی صاحب یہاں تشریف لانے سے پہلے یہ شرط عائد کر رہے تھے کہ مسئلۂ کشمیر پر بات نہیں ہوگی، لیکن ہم نے کہا کہ آپ نے ہماری دعوت قبول کی ہوئی ہے، آپ تشریف لائیں۔ ہم ضرور

تمام مسائل پر بات چیت کریں گے اور اُن میں پیش پیش مسئلۂ کشمیر ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے وزیر خارجہ واجپائی صاحب یہاں آئے، انہوں نے تسلیم کیا کہ مسئلۂ کشمیر پر بات ہوگی اور پھر اُن سے ملاقات کے وقت اِس مسئلے پر بات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم ہندوستان اور پاکستان میں ایسی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ دونوں ملک اچھے ہمسایوں کی طرح رہ سکیں۔ یہ تسلیم کہ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے اور پاکستان چھوٹا، لیکن دونوں ملکوں کو ایک راستے پر برابر کے ساتھیوں کی طرح سفر کرنا چاہیئے۔ یہ بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی کی حیثیت والا معاملہ نہیں ہے۔ ہم ایک خود مختار ملک کے باشندے ہیں۔ ہمارا اور آپ کا تعلق برابری کی بنیاد پر قائم رہ سکتا ہے۔ انہوں نے ہمارے موقف کو تسلیم کیا۔ پھر ڈیسائی صاحب سے بھی اِس بارے میں بات ہوئی۔ میں نے اِس مسئلے کے بارے میں ہوانا کانفرنس کے حوالے سے بھی بات کی ہے، اس لئے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسئلے پر سودابازی کر لی جائے، اس مسئلے کو ختم کر دیا جائے اور اِس کا حل کسی اور نوعیت کا ہو، لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے انشاءاللہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہم اس مسئلے کو پُرامن ذرائع سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان، پاکستان اور کشمیری عوام مل کر اس مسئلے کا حل تلاش کریں۔ ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے، اس لئے مسئلۂ کشمیر کا بھی کوئی حل نکالا جا سکتا ہے۔

جہاں تک ایک صاحب کے لوکل سیلف گورنمنٹ کے بارے میں پوچھے گئے سوال کا تعلق ہے، ہم نے ۱۹۷۷ء میں ہونے والے الیکشن ملتوی کر دیئے تھے۔ اس وقت سے لے کر آج تک میری جنرل سوار خان صاحب اور ہمارے

دوسرے رفقا کی یہ تمنا رہی ہے کہ اِس اسلامی ملک کے لئے اسلامی نقطۂ نگاہ سے قریب تر بنیادی سطح کے اوپر جمہوریت لانے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ ہمارے ملک میں آخری بار بلدیاتی اداروں کے انتخابات ۱۹۶۴ء میں ہوئے۔ پندرہ سال میں کسی نے بنیادی سطح پر الیکشن کرانے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہ انتخابات کچھ تاخیر سے ہو رہے ہیں، لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ انہیں میں نے معرضِ التوا میں ڈالا ہوا ہے۔ پچھلے مارچ ۱۹۷۷ء میں جو الیکشن ہوئے اس میں جہاں اور بہت سی دھاندلیاں ہوئیں، وہاں انتخابی فہرستوں میں بھی گڑبڑ تھی۔ اس لئے ہم نے سب سے پہلے انتخابی فہرستوں کو نئے سرے سے مرتب کرنے کا آغاز کیا۔ دو ماہ ہوئے یہ کام مکمل کیا جا چکا ہے۔ اس لئے اگر اس مفہوم میں تاخیر کا لفظ استعمال کیا جائے تو ضرور تاخیر ہوئی ہے۔ بلدیاتی انتخابات کے سلسلے میں میری تمام سیاسی لیڈروں سے بات ہوئی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر آپ اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ ہو سکتا ہے تو آپ ضرور کر لیجیے، لیکن ہمارا آپ کو مشورہ ہے کہ آپ یہ بلدیاتی انتخابات نہ کروائیں۔ میں نے کہا کہ آپ مجھے دلائل سے قائل کریں کہ یہ انتخابات نہیں کروانے چاہیئں۔ ایک پارٹی کے سربراہ نے کہا کہ ہم بھی اپنے منشور میں بلدیاتی انتخابات کا ڈھانچہ پیش کر رہے ہیں اور وہ آپ کے دیئے گئے ڈھانچے کے کچھ حد تک قریب تر ہے، لیکن جب ہم برسرِ اقتدار آئیں گے تو اپنے مخصوص طریقے سے بلدیاتی انتخابات کروائیں گے۔ میں نے کہا کہ بحث کی اور بات ہے، لیکن آپ یہ بتایئے کہ آپ کے پاس کیا گارنٹی ہے کہ آپ کی پارٹی الیکشن جیتے گی۔ فرض کیا اگر آپ کی پارٹی الیکشن ہار جاتی ہے تو پھر کیا ہو گا۔ کہنے لگے پھر دوسری حکومت اس کام کو سنبھال لے گی۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ اگر میں کوئی نیک کام کرتا ہوں تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ ان صاحب نے فرمایا کہ بڑے شوق سے کیجیے۔ پھر انہوں نے یہ دلیل دی کہ اگر

سارے کام آپ ہی کر جائیں تو پھر ہم کیا کریں گے۔ دوسرے سیاسی لیڈروں نے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں الیکشن سیاسی بنیادوں پر نہیں ہوں گے۔ میں نے کہا بالکل درست، اس لئے کہ پاکستان میں اتنی تفرقہ بازی ہو چکی ہے کہ ہر گھر، ہر کنبہ اور ہر محلے میں ہر شخص کی کسی نہ کسی سیاسی پارٹی سے وابستگی ضرور ہے۔ دوسرے انہوں نے یہ کہا کہ جب الیکشن ہوں گے تو ایک ایک سیٹ پر دو دو اور اب تو تیس تیس آدمی بھی کھڑے ہوں گے۔ آپ مجھے بتایئے کہ میں کس کو ووٹ دوں۔ ایک کو دیتا ہوں تو دوسرا ناراض اور دوسرے کے حق میں ووٹ ڈالتا ہوں تو تیسرا اخفا ہو گا۔ میں نے کہا کہ آپ پھر عمرے کے لئے چلے جائیں، سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

انہوں نے ایک مسئلے کی طرف بھی اشارہ کیا کہ انتخابات آپ کروا دیں گے اور ہر ضلع کے اندر دس پندرہ آدمی، عوام کے چنے ہوئے منتخب ہو جائیں اور پھر آپ نے انہیں وسیع اختیارات دینے کا وعدہ بھی کیا ہوا ہے تو پھر وہ سارے کے سارے مسائل خود حل کر لیں گے اور جب وفاقی سطح پر الیکشن ہوں گے تو ہم اس الیکشن کے لئے اپنے آدمیوں کو ٹکٹ کیسے دیں گے۔ وہ شخص جو بنیادی سطح سے منتخب ہو کر آئے گا وہ تو سینہ تان کر کہے گا کہ مجھے ٹکٹ دیجئے ورنہ میں آپ کے مقابلے میں الیکشن لڑوں گا، دیکھتا ہوں میرے مقابلے میں کون آتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح آپ ہمارے لئے مشکل پیدا کر رہے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر یہ بلدیاتی انتخابات کا جھنجھٹ ہم پر چھوڑ دیں اور جو گارنٹی ہم سے لینا چاہتے ہیں لے لیں۔

دوسرا سوال جو آپ نے اٹھایا ہے کہ سیاسی حضرات کہتے ہیں کہ وہ اقتدار میں آنے کے بعد ان تمام انتخابات کو کالعدم قرار دے دیں گے۔ اس سلسلے میں چھوٹی سی عرض کرتا ہوں کہ جو نمائندے منتخب ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آئیں گے اور نہ فرشتے

ان کو کرسیوں پر بٹھا دیں گے۔ ہم نے ان سیاسی لیڈروں کو پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ہم آپ سے ہر بات میں تعاون کرتے کے لئے تیار ہیں، لیکن ہم آپ کو کرسی پر اٹھا کر نہیں بٹھا سکتے۔ آپ عوام کے تعاون سے آگے آیئے تو ان لوگوں کو بھی جو بلدیاتی انتخابات کو کالعدم قرار دینے کی بات کرتے ہیں آپ ہی منتخب کریں گے۔ ہر انتخابی حلقہ میں خواہ وہ قومی اسمبلی کے لئے ہو یا صوبائی اسمبلی کے لئے جو امیدوار بھی کھڑا ہوگا اسے آپ ہی منتخب کریں گے۔ میں تو منتخب نہیں کروں گا۔ تو جب وہ آپ کے پاس ووٹ لینے کے لئے آئیں تو ان سے پوچھئے بلدیاتی انتخاب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اگر وہ کہیں کہ کالعدم قرار دیئے جائیں تو آپ انہیں ووٹ نہ دیں۔ اگر وہ کہیں کہ عوام کی بھرپور محنت اور تعاون سے آئے ہوئے بلدیاتی نمائندے سر آنکھوں پر تو آپ ان کو اپنا ووٹ دے دیجیئے۔

کئی سیاسی پارٹیوں نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ ہم نہ صرف بائیکاٹ کریں گے بلکہ ہم عوام کو بلدیاتی انتخاب میں حصہ نہ لینے کی تلقین بھی کریں گے اور پھر ہم دیکھیں گے کہ پولنگ اسٹیشن پر آپ کیسے انتخابات کرا سکیں گے۔ میں نے کہا میرا دل گواہی دیتا ہے، لیکن میں اس وقت کچھ نہیں کہتا کہ لوگ کہیں گے میری نیّت خراب ہوگئی ہے۔ مگر میرے نقطۂ نظر سے، اسلامی نقطۂ نظر سے، اسلام میں سیاسی پارٹیوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اسلام کی تاریخ میں کہاں لکھا گیا ہے کہ پچاس یا سو سیاسی پارٹیاں آپس میں مقابلے کی صورت میں لوگوں کے درمیان افراتفری اور ہنگامہ برپا کریں۔ کیا یہ صحیح اسلامی نظریہ ہے۔ جسٹس کیکاؤس نے ہائی کورٹ میں ایک اپیل دائر کی ہے۔ میرا اور آپ کا فرض ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کریں۔ انہوں نے اپیل میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سیاسی انتخابات اسلامی نظریے کے سراسر خلاف ہیں۔ انتخابات ۱۷ نومبر کو کروایئے، پہلے کروایئے، بعد میں کروایئے، اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، لیکن یہ سیاسی طریقۂ کار

جو ہے اسے اسلام کے کھاتے میں مت ڈالئے۔ ہر صوبے میں صوبائی اور وفاقی سطح پر انتخابات ہوں گے۔ ان کو میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔ بلدیاتی انتخابات میں آپ جس شخص کو بھی چنیں، یہ سمجھ کر ووٹ دیں کہ آپ اپنے علاقے کی مجلسِ شوریٰ کا انتخاب کر رہے ہیں۔ جس کو بھی چنیں وہ صحیح مسلمان ہو۔ اپنا ووٹ نہ تو پلاؤ کی وجہ سے دیجئے اور نہ حلوے پر قربان کیجئے اور نہ جھوٹے وعدوں پر یقین کیجئے۔ اگر آپ صحیح آدمی کو ووٹ دیں گے تو بلدیاتی انتخابات میں وہ لوگ سامنے آئیں گے جو صحیح معنوں میں آپ کی خدمت کر سکیں گے۔

میں صرف دو اور باتوں کے بارے میں کچھ عرض کروں گا کیونکہ کچھ دیر ہو رہی ہے۔ میں اور جنرل سوار صاحب آج صبح جہلم گئے، پھر امرال اور دینہ۔ اس کے بعد لالہ موسیٰ گئے اور پھر گوجرانوالہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ان تینوں جگہوں پر میں نے بے پناہ جذبہ دیکھا ہے۔ جس طریقے سے آپ نے میرے سامنے اپنے مسائل پیش کئے ہیں وہ قابلِ داد ہیں جس طرح اطمینان کے ساتھ آپ نے مجھے سنا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ گوجرانوالہ کے لئے تو خاص طور پر پورا دن مختص کیا جانا چاہیئے۔ انشاءاللہ عنقریب دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے مسائل سے آگاہی حاصل کروں گا اور اپنی عرض داشت بھی پیش کروں گا۔

آلو کے متعلق سوال کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق بتانا چاہتا ہوں کہ پچھلے سال جنرل سوار صاحب کی سفارشات کی روشنی میں کچھ میں نے کوشش کی تھی جس کی وجہ سے پچیس تیس ہزار ٹن آلو باہر چلا گیا، باقی آلو برآمد نہیں کیا جا سکا۔ اس دفعہ ہم ابھی سے کوشش کریں گے کہ فالتو آلو برآمد کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں آپ کو بطور کاشت کار کے تین مشورے دینا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ آپ اس کی گریڈنگ کا بندوبست کریں۔ گریڈنگ کی مشینوں کے لئے میں نے اتنی مراعات دی ہیں کہ اب اس پر کوئی ڈیوٹی نہیں

ہے۔ ایک ہفتہ ہوا میں نے اعلان کیا تھا کہ آلو کی گریڈنگ یا کسی اور پھل کی گریڈنگ کے لئے اگر آپ کوئی پرزہ جات منگوانا چاہتے ہیں تو پھر اس پر کوئی ڈیوٹی نہیں لگائی جائے گی۔ گریڈنگ، پیکنگ اور کوالٹی کی ذمہ داری آپ لیجیے، آلو انشاءاللہ میں برآمد کراؤں گا۔ مٹی کے تیل کے سلسلے میں آپ کی تکالیف کا مجھے علم اور احساس ہے، لیکن بہت سے لوگ جو متوسط اور غریب طبقے سے متعلق ہیں، وہ نہ صرف دیہات میں بلکہ شہروں کے اندر بھی مٹی کے تیل کو استعمال میں لاتے ہیں۔ اس لئے مٹی کے تیل کی موجودہ قیمت پر اکتفا کیجیے۔ انشاءاللہ اگلے سال کے بجٹ میں اگر ہم کو موقع ملا تو ہم، ورنہ کوئی اور حکومت ضرور مٹی کے تیل کی قیمت کا جائزہ لے گی۔

یہاں ایک نوجوان نے کہا ہے کہ چاول کا بیج صحیح نہیں ملتا۔ جنرل سوار صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کو خود ملیں گے۔ لاہور میں بھی اور گوجرانوالہ میں بھی اور خود چاول کی آئندہ فصل کے سلسلے میں آپ کی تکالیف اور مسائل کا جائزہ لیں گے۔ جہاں تک رشوت ستانی کا تعلق ہے چیمہ صاحب نے بڑی زوردار تقریر کی ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ انہیں اسمبلی کا ممبر ضرور چنیں، کیونکہ تقریر کے وہ بہت ماہر ہیں۔ ان کی تقریر میں سیاست بھی ہے اور حالات کی عکاسی بھی، لیکن میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے علانیہ یہاں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے رشوت دی۔ آپ جانتے ہیں کہ رشوت لینے والا تو مجرم ہے ہی، رشوت دینے والا بھی مجرم ہے۔ بتایئے میں آپ کو کیا سزا دوں۔ چیمہ صاحب! اگر آپ نے ریلوے والے کو تین سو روپے دیئے ہیں یا آپ نے چاول فروخت کرنے کے لئے محکمۂ زراعت کو سو روپیہ دیا ہے تو آپ قوم کے حضور اتنے ہی مجرم ہیں جتنا رشوت لینے والا۔ رشوت ستانی کے بارے میں مجھے تسلیم ہے کہ ہم میں بہت سی خامیاں ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ معاشرے میں ایک تبدیلی لانے کے لئے یا اس کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے اس

وقت تک کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی جب تک عوام تعاون نہ کریں۔ آخر چیزیں کیوں مہنگی ہوتی ہیں، اس لئے کہ لوگ اپنی ضروریات سے زیادہ خرید لیتے ہیں۔ جہاں ڈیمانڈ بڑھتی ہے سپلائی کم ہوجاتی ہے اور قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ گوشت اٹھارہ روپے سیر ہو رہا ہے۔ اگر اسے آپ ایک دن کھانا بند کردیں تو کیا ۱۶ روپے سیر نہیں ہوجائے گا۔ اسی طرح رشوت دینے والے اگر ایک ہفتہ، ایک ماہ، ایک سال رشوت نہ دیں تو رشوت لینے والوں کا خاتمہ ہوجائے، لیکن اسے ختم کرنا بطور سربراہ مملکت میرے فرائض میں شامل ہے۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میرے دور اقتدار میں رشوت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ انشاء اللہ ہم جہاں اور بیماریوں کا علاج کر رہے ہیں اس کا علاج بھی کریں گے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سب کچھ کرنے کا موقع دے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے بڑے اطمینان سے سنا۔ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔ شکریہ!

شہریوں کے نمائندہ اجتماع سے خطاب

۲۴ ستمبر ۱۹۷۹ء

پہلے بلدیاتی انتخابات سے دو روز قبل صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاالحق نے گورنر ہاؤس میں لاہور کے شہریوں کے ایک نمائندہ اجتماع سے خطاب کیا۔ یہ اجتماع ان کے عوام سے رابطے کی مہم کی ایک کڑی تھی۔ وہ اسی روز جہلم، لالہ موسیٰ اور گوجرانوالہ میں اجتماعات سے خطاب کر کے لاہور پہنچے۔ گورنر پنجاب، لیفٹیننٹ جنرل سوار خان بھی ان کے ہمراہ تھے۔

صدرِ پاکستان نے اپنے خطاب میں ملک کے سیاسی اور سماجی حالات کا تجزیہ پیش کیا۔ عوام کی مشکلات اور اُن کے حل کے لئے حکومت کی کوششوں کا ذکر کیا اور معاشرے میں خواتین کی اہمیت نمایاں کی۔ جوہری توانائی کے شعبے میں پیش رفت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمیں جوہری توانائی کے حصول سے باز رکھنے میں جتنا ہم پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے اور جو لالچ دیا جا رہا ہے اگر اس کا ایک چوتھائی دباؤ بھی کسی سیاسی حکومت پر ہوتا تو اس کے گھٹنے ٹیک دینے کا خدشہ تھا، لیکن ہم قومی وقار کی خاطر اپنے اس حق سے دستبردار نہیں ہونگے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

معزز خواتین وحضرات!

السلام علیکم۔ آج کی اس تقریب کا اپنا مقام ہے کیونکہ لاہور پاکستان کا دل ہے۔ یہاں حاضر ہونے سے پہلے آج میں صبح جہلم میں شہریوں سے ملا۔ اس کے بعد لالہ موسیٰ گیا اور ابھی گوجرانوالہ سے آرہا ہوں۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو کچھ انتظار کرنا پڑا اور یہ تقریب دن کی بجائے شام کو منعقد ہو رہی ہے، لیکن شام کی محفل کا اپنا مقام ہے۔

پہلے میں آپ کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کروں گا۔ اس کے بعد آپ جو چاہیں مجھ سے سوال پوچھیں، جو چاہیں مجھ کو مشورہ دیں، لیکن اختصار کے ساتھ کیونکہ سوال اگر تقریر بن جائیں تو اُن کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ آپ جو چاہیں، مجھ سے سوال پوچھ سکتے ہیں یا کسی مسئلے پر مشورہ دے سکتے ہیں۔ پاکستان کے مسائل اتنے زیادہ اور اتنے پیچیدہ ہیں کہ کسی ایک شخص سے یا ایک

گروہ سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے طور پر ان سب کو حل کر سکے۔ یہ ہمارا سب کا حق اور فرض ہے کہ ہم مل بیٹھ کر ان کا حل ڈھونڈیں۔ یہ محفل قرآنِ پاک کی تلاوت سے شروع ہوئی۔ آپ نے قاری صاحب کو سنا۔ قرآنِ مجید کی قرأت میں ایک لطف اور راہنمائی ہے۔ اسی لئے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے پروگرام کی ابتدا میں اور آخر میں قرآنِ مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔ ریڈیو کو تقریباً اسّی فیصد عوام سنتے ہیں۔ ٹیلی ویژن تقریباً تیس فیصد پاکستان کے عوام دیکھتے ہیں۔ تقریباً چالیس سے پینتالیس فیصد اخبار پڑھتے ہیں۔ اس لحاظ سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن مشترکہ طور پر سب سے اہم ذرائع ابلاغ ہیں۔ ان کے ذریعے قرآنِ مجید کے پیغام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت سے انشاءاللہ ذہنوں پر اچھا اثر پڑے گا اور لوگ اسلامی احکام پر عمل کی طرف راغب ہوں گے۔ آج کی محفل میرے کلمات پر ختم نہیں ہوگی، میں آپ کے سامنے کچھ عرض کروں گا، پھر آپ مجھ سے سوالات پوچھیں گے۔ یہاں مجھے احسان دانش صاحب بیٹھے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آج کی محفل کا اختتام احسان دانش صاحب کے کلام اور ارشادات پر، میں یہ بات سوچ کر نہیں آیا تھا، لیکن ان کا چہرہ دیکھ کر مجھے خیال آیا ہے کہ ماشاءاللہ اُن جیسے متّقی، مومن شاعر جب یہاں موجود ہوں تو اِن لوگوں کو اُن کے خیالات سننے کا بھی موقع ملنا چاہیئے۔

میرا یہاں حاضر ہونے کا صرف ایک مقصد ہے وہ یہ کہ گزشتہ کچھ دنوں سے میں نے یہ مہم چلائی ہے کہ ۲۵ اور ۲۷ تاریخ سے پہلے میں عوام کے چیدہ چیدہ نمائندوں سے کچھ کہہ سکوں اور اس کام کا میں نے کراچی سے آغاز کیا تھا۔ کراچی میں اور کوہاٹ میں اجتماعات سے خطاب کرنے کے بعد آج میں پنجاب کے

تین شہروں سے ہوتا ہوا لاہور پہنچا ہوں۔ اس کے بعد اس دفعہ کوئٹہ اور بلوچستان بھی جانا ہوگا۔ میرا مقصد صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ۲۵ تاریخ کو جو بلدیاتی انتخابات پنجاب، صوبہ سرحد، صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان میں ہو رہے ہیں، اُن کی بہت اہمیّت ہے کیونکہ جمہوریت اور اسلامی اقدار کے مطابق انہیں کلیتہً اسلامی تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن بلدیاتی اداروں کے یہ انتخابات اسلامی تصوّر کے بہت قریب ہیں اور مجھے امید ہے کہ ان کے بہت مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ پاکستان کی آبادی کوئی ساڑھے سات کروڑ ہے اور دنیا کے ممالک میں آبادی کے لحاظ سے اس کا تقریباً نواں یا دسواں مقام ہے۔ ایک چھوٹا ملک نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کے جو وسائل ہیں ان کو آج تک موزوں طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ میں اس میں نہ مبالغہ آرائی سے کام لے رہا ہوں اور نہ میں کسی بنا پر یہ کہہ رہا ہوں بلکہ آپ کے سامنے اپنے جذبے کا صحیح اظہار کر رہا ہوں۔ پاکستان کے اندر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی چیز ایسی نہیں جو موجود نہ ہو۔ زمین آپ کے پاس ہے، پانی آپ کے پاس ہے، مرد آپ کے پاس ہیں، خواتین آپ کے پاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے لوگ یہاں پیدا کئے ہیں جنہوں نے ہر لحاظ سے اپنا مقام پیدا کیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم کچھ گھبرائے گھبرائے سے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان میں کچھ کمزوری آگئی ہے اور چونکہ ایمان میں کمزوری آئی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی بجائے ہم دنیا کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ہم دنیاوی حالات کو اپنے اوپر زیادہ حاوی سمجھتے ہیں اور مادیّت کی طرف مائل ہیں۔ دین میں دونوں جائز ہیں۔ دونوں کی طرف ایک جیسی توجہ ہونی چاہیئے۔ اسی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم بلدیاتی انتخابات

کرارہے ہیں۔ ان انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں نے اپنے نام ظاہر کر دیئے ہیں۔ اُن کے کاغذات نامزدگی موصول ہو چکے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ کونسے وارڈ سے، محلے، علاقے سے، یونین کونسل سے کون کون اصحاب امیدوار ہیں۔ اب ان کے متعلق آپ سے زیادہ اور کوئی شخص نہیں جانتا۔ آپ اگر اس محلّے کے رہنے والے ہیں، اس تحصیل کے رہنے والے ہیں، اس گاؤں یا شہر یا وارڈ کے رہنے والے ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ اس شخص کا کردار کس قسم کا ہے۔ اگر اس علم کے باوجود میں نے اور آپ نے پلاؤ اور حلوے کھا کر ووٹ دے دیئے تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ یہ نہ صرف دنیاوی بلکہ دینی فریضہ ہے۔ آپ کو ایک ایسی مجلسِ شوریٰ کا انتخاب کرنا ہے جو نہ صرف دنیاوی بلکہ دینی کام کرنے کی بھی اہل ہو۔ ہم نے زکوٰۃ کونسلوں کا انتخاب کر لیا ہے۔ زکوٰۃ کی رقم ہمارے پاس موجود ہے۔ انشاءاللہ، عنقریب جو زکوٰۃ کا نظام شروع ہو گا، اگر زکوٰۃ کونسلوں سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو یہ کام بھی آپ کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ تو دین بھی ان کے ساتھ ہے، دنیا بھی ان کے ساتھ ہے اور ان کے آپ اختیارات دیکھیں۔ آج تک ہندو پاکستان کی تاریخ میں یا آس پاس کے پڑوسی ممالک میں کبھی بھی کسی حکومت نے اتنے اختیارات ان اداروں کو نہیں دیئے۔ مالی اختیارات آپ کے پاس، تمدنی اختیارات آپ کے پاس، ترقی کا پروگرام آپ کے پاس، تعلیم کی ذمہ داری آپ کی۔ ڈپٹی کمشنر جو کہ انتظامیہ کا ضلعی ذمہ دار ہے، ضلع کی سطح پر وہ بھی اس ڈسٹرکٹ کونسل کا سیکرٹری ہو گا۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین کا انتخاب منتخب نمائندوں میں سے کیا

جائے گا اگر اتنے اختیارات کے باوجود صحیح قسم کے آدمی نہ آئے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہو گی کہ ہمارے پاس نظام نہیں تھا بلکہ میں اور آپ ذمہ دار ہوں گے کیونکہ ہم نے انتخاب غلط کیا۔ میری اس رابطہ مہم کا مقصد یہی ہے کہ میں صرف یہ کلمات آپ سے کہنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے میں ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جا رہا ہوں تاکہ آپ کو ان انتخابات کی اہمیّت کا احساس دلواؤں اور پھر آپ کے ذریعے پاکستان کے دوسرے عوام کی توجہ اس چیز کی طرف مبذول کراؤں کہ یہ موقع ہے کہ آپ صحیح معنوں میں اپنے ووٹ کا استعمال کیجئے۔ مرحوم مولانا مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ ووٹ میں دین کے نقطۂ نگاہ سے تین چیزیں شامل ہیں۔ یہ ایک فریضہ بھی ہے، ایک حق بھی ہے اور اس میں رشوت بھی موجود ہے۔ اگر آپ نے ووٹ غلط آدمی کو دیا یا کسی لالچ سے دیا تو آپ نے رشوت دی اور لینے والے نے رشوت لی۔ راشی کے لئے اسلام میں سخت سزا ہے۔ اس لئے اگر آپ نے یہ حق صحیح معنوں میں استعمال نہیں کیا ہے تو آپ نے اپنے ساتھ، اپنے معاشرے کے ساتھ، اپنی قوم کے ساتھ زیادتی کی اور اپنا اعتبار کھو دیا۔ اس موضوع پر میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا ہوں۔ البتّہ اس سلسلے میں چند ایک سوالات جو اٹھتے ہیں ان کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آج ابھی گوجرانوالہ سے آتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ ان بلدیاتی انتخابات میں گذشتہ چند دنوں میں اتنی زیادہ دلچسپی لی جا رہی ہے جس کی کم از کم انہیں توقع نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لوگوں نے اس چیز کو اتنا سراہا ہے۔ آج ۲۳ تاریخ ہو گئی ہے، آج تک کسی علاقے میں سوائے ایک آدھ واقعہ کے بدامنی کا کوئی مظاہرہ نہیں ہوا۔ عام طور پر لوگوں نے پُرامن طریقے

سے کنوینسنگ کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگ آپ کے پاس بھی آئے ہوں گے یا آئیں گے، سبز باغ بھی آپ کو دکھائیں گے، آپ سے وعدے بھی کریں گے، آپ سے وعدے لیں گے، کچھ آپ کے عزیزوں رشتہ داروں کو آپ پر اثر و رسوخ ڈالنے کے لئے لائیں گے۔ یہ چیز علیحدہ ہے کیونکہ اسلام کا نقطۂ نظر آہستہ آہستہ آئے گا۔ ورنہ اسلام کے نقطۂ نظر سے تو شریعت کی بنا پر اگر آپ نے کوئی نمائندے چننے ہیں تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اہل کہے، اس کو مت چنو کیونکہ اس کے اندر کوئی نہ کوئی ضرور شک کی بات ہوتی ہے۔ اگر آپ کے اپنے نقطۂ نظر سے کوئی شخص اس چیز کا اہل ہے تو پھر اس پر یہ ذمہ داری ڈالو خواہ وہ اُسے پسند کرے یا ناپسند کرے، لیکن جب کوئی آپ کے سامنے آ کر کہے گا کہ جناب میں آپ کا خادم ہوں، حالانکہ اس سے پہلے اُس نے آپ سے کوئی رابطہ قائم کیا نہ سلام دعا کی، لیکن اب آپ کے گھر سیبوں کی پیٹیاں بھی بھیج رہا ہے، آپ کے چچا کو بھی لے کر آ رہا ہے، آپ کو سلام بھی کر رہا ہے، آپ کو چائے بھی پلا رہا ہے تو پھر سوچئے کہ کیا وجہ ہے، اُسے آج آپ کے ساتھ ایکدم کیسی دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس امر کی طرف آپ کی نظر ضرور ہونی چاہیئے۔ بدقسمتی سے کچھ اس قسم کے رجحانات پیدا ہو چکے ہیں اور ایکدم ان کو ختم کرنا مشکل ہے، لیکن صحیح سمت سفر کا آغاز ہو چکا ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ پاکستان کے اندر کراچی جیسے شہر میں بعض ایسے محلّے بھی ہیں جہاں لوگوں نے یہ کہا ہے کہ خبردار اگر کسی نے کسی کو یہ کہا کہ فلاں کو ووٹ دو یا فلاں کو ووٹ نہ دو۔ یہ شہریوں کا فریضہ ہے کہ ہم اپنے میں سے چُن کر کہیں کہ فلاں صاحب کھڑے ہوں گے، ہم اُن کو ووٹ دیں گے کیونکہ وہ باعمل ہیں وہ اہلِ ایمان ہیں اور ہماری اُن سے توقع ہے کہ وہ

ہمارے مسائل حل کریں گے۔ میں آپ کو یہ بیسویں صدی کا قصہ سنا رہا ہوں، یہ چھٹی صدی کا قصہ نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اب بھی مسلمانوں میں، پاکستانیوں میں اسلام کا وہ جذبہ موجود ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔

یہ آپ نے دیکھ لیا، کس طریقے سے اس میں دلچسپی لی جا رہی ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ کس پُرامن طریقے سے اس انتخابی مہم کو چلایا جا رہا ہے اور مجھے امید ہے کہ انشاءاللہ ۲۵ تاریخ کو بھی پُرامن طریقے سے انتخابات ہوں گے۔ گوجرانوالہ میں مجھ سے جو سوال پوچھا گیا کہ یہ انتخابات جو آپ کرا رہے ہیں اور لوگوں کی اس میں اتنی زیادہ دلچسپی ہے جو سب لوگوں پر عیاں ہے، پھر بعض سیاسی حضرات نے یہ اعلان کیوں کیا ہے کہ جب ہم اقتدار میں آئیں گے تو ان تمام بلدیاتی انتخابات کو کالعدم قرار دیں گے۔ بلدیاتی انتخابات کے بعد اگر وہ لوگ برسرِ اقتدار آ گئے تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ میں نے اُن کو جواب دیا کہ یہ تو بڑا معمولی سا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتے تو نہیں بھیجیں گے جس کے متعلق مجھے یا آپ کو علم نہیں ہوگا۔ نہ ہی کوئی غیر ملک کا آدمی آ کر آپ کے اوپر مسلط کیا جائے گا۔ صوبائی اور وفاقی اسمبلیوں کے جو نمائندے ہوں گے، اُن کو ووٹ کون دے گا۔ کس کے ووٹ پر منتخب ہو کر وہ آئیں گے۔ لازم بات ہے کہ میرے اور آپ کے ووٹ پر۔ جس وقت کوئی صاحب مجمع لگائیں گے، جلسہ جلوس نکالیں گے اور ووٹ کے لئے آپ کے پاس آئیں تو پہلے ان سے سوال کیجئے کہ یہ جو ۲۵ ستمبر کو بلدیاتی انتخابات ہوئے تھے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہم ان کو کالعدم قرار دیں گے تو اُن کو کہیں کہ جائیے ہمارا اور آپ کا رابطہ ختم ہے۔ جب آپ ان کو منتخب نہیں کریں گے تو کیسے وہ انتخاب جیت

کر آجائیں گے۔ اگر وہ آپ سے کہیں کہ ہم اس چیز کو مانتے ہیں، بلدیاتی ادارے ہمارے سر آنکھوں پر تو پھر آپ کی مرضی ہے آپ اُن کو ووٹ دیجئے یا نہ دیجئے۔ یہ تو سیدھا حساب ہے۔ ان کے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اگر عوام چاہتے ہیں کہ اپنی طاقت کا استعمال کریں تو صحیح معنوں میں انتخاب ہو سکتا ہے۔ انتخابات میں ابھی دو دن باقی ہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعا کیجئے کہ ان انتخابات میں صحیح آدمیوں کو کامیابی نصیب ہو اور انتخابات پُرامن طریقے سے ہوں تاکہ اچھے نمائندے ہمارے سامنے آئیں جو قوم و ملک کی خدمت کر سکیں۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انتخابات کیسے ہوں گے جبکہ سیاسی پارٹیوں نے بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ میں سیاسی لیڈروں سے یہ کہہ چکا ہوں کہ آپ کے بائیکاٹ کرنے سے یا ماننے نہ ماننے سے بلدیاتی انتخابات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ یہ انتخابات سیاسی پارٹیوں کی بنا پر ہو ہی نہیں رہے ہیں، ان میں تو ایک فرد کو اُس کی اپنی اہلیت کی بنا پر چُنا جائے گا۔ چونکہ یہ انتخابات بغیر سیاسی پارٹیوں کے ہو رہے ہیں، ان کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے ان کے بائیکاٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اس کا نتیجہ آپ نے دیکھ لیا۔ آج ۲۳ تاریخ ہے۔ آج سے تو سیاسی مہم ختم ہو رہی ہے، کیونکہ ۴۸ گھنٹے پہلے تمام انتخابی مہم ختم ہونی چاہیئے۔ ۲۵ تاریخ کو انتخابات ہونے ہیں۔ آج تک ان کے بائیکاٹ کا اثر یہ ہوا ہے کہ پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ عوام میں سے ساڑھے تین یا چار کروڑ جن کو ووٹ دینے کا حق ہے، انہوں نے اتنی دلچسپی دکھائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ عام لوگ اپنا حق خود ارادی استعمال کریں گے۔ ان

انتخابات کا صحیح جائزہ ۲۷ تاریخ کو ہی لیا جا سکتا ہے، لیکن میرا یقین ہے کہ قوم اس میں بھرپور حصّہ لے گی کیونکہ اس میں قوم اور ملک دونوں کا بھلا ہے۔ اس میں سیاست کوئی نہیں، اس میں میری کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہے، مجھے ذاتی طور پر اس کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن میری عقل یہ کہتی ہے کہ قوم و ملک کے لئے یہ بہتر ہے اور میں قوم سے توقع کروں گا کہ وہ صحیح نمائندوں کو چُنیں گے اور انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں گے۔ آپ ووٹ کا حق استعمال کیجئے اور صحیح آدمیوں کے لئے استعمال کیجئے۔

یہ تو ۲۵ تاریخ کو ہی معلوم ہو گا کہ سیاسی لوگوں کے بائیکاٹ کا کچھ اثر ہوا ہے یا نہیں ہوا۔ آج دو دن پہلے مجھے غیب کا کوئی علم نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، لیکن جیسا میں نے آپ سے کہا کہ میرا ایمان یہ ہے کہ اگر آپ محنت کریں اور سچّے دل سے کوئی کام کریں تو پھر اللہ تعالیٰ اس میں برکت ضرور ڈالتا ہے۔ بلدیاتی انتخابات کے متعلق تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ حکومت کا کام دو باتوں کی ضمانت دینا ہے۔ ایک یہ کہ انتخابات پُرامن ہوں اور کسی قسم کی ہنگامہ آرائی نہ ہو اور دوسری یہ کہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہوں۔ انتخاب کی روح مجروح نہ ہو اور کسی قسم کی دھاندلی نہ ہو۔ آپ کا کام معاشرتی ذمہ داریوں کے اہل افراد کو منتخب کرانا ہے۔ ووٹ دیتے وقت امیدواروں کے کردار اور شہرت کو پیشِ نظر رکھیئے۔ اسلامی ذہن اور مومنانہ سوچ رکھنے والوں کو ترجیح دیں۔ مجھے پاکستان کے عوام سے یہ توقع ہے کہ مرد اور عورتیں دونوں زیادہ سے زیادہ تعداد میں انتخابات میں حصّہ لیں گے۔ جہاں تک بلدیاتی انتخابات کے عہدیداروں کے اختیارات کا تعلق ہے، آپ کو میں اس کی ایک

جھلک دکھا چکا ہوں۔ ہمیں ان کو لیگل پاورز بھی دینی ہیں۔ لیگل پاورز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ پھانسی کے مقدمات کا فیصلہ کریں گے۔ وہ تو عدلیہ کا کام ہے لیکن ان کو ہم کچھ

CONCILIATORY POWERS

دے رہے ہیں جیسا کہ ابھی آپ نے تلاوتِ قرآن میں سنا تھا کہ اگر دو فریق آپس میں لڑ جائیں تو مسلمانوں کا کام ہے کہ ان کے درمیان صلح صفائی کرا دیں۔ اگر محلّے کے اندر کوئی گڑبڑ ہے، کسی کی نااتفاقی ہے تو یہ آپ کا اور میرا فرض ہے کہ اُن کے درمیان اتفاق پیدا کریں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے پنچایت ایکٹ کے تحت جو اختیارات تھے وہ اختیارات انہی اداروں کو دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد میں آتا ہوں دو چار چیزوں کی طرف اور ان کے متعلق کچھ بتانا چاہتا ہوں۔

لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال بھی ہے کہ یہ بلدیاتی انتخابات تو ہو جائیں، لیکن پھر ان کو اپنے اختیارات کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے اور اقتدار کو صحیح طور پر سنبھالنے کے لئے کچھ وقت چاہیئے تو کب تک یہ نمائندے اپنے اختیارات کو سنبھالنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ نتائج کا غیر سرکاری اعلان ۲۴ گھنٹے میں ہو جائے گا۔ پھر پہلی تاریخ تک سرکاری اعلان ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہر صوبے میں اور خصوصاً پنجاب میں جنرل سوار خان صاحب نے ایک پروگرام بنایا ہے جس کے تحت ان نمائندوں کو تھوڑی سی تعلیم و تربیت بھی دی جائے گی تاکہ ان کو اپنے اختیارات کے متعلق علم ہو اور ان کو اپنے فرائض کے متعلق معلوم ہو۔ مجھے امید ہے کہ دو تین ہفتوں کے دوران یا کم از کم اکتوبر، اکتوبر کے آخر تک یہ بلدیاتی نمائندے، انشاء اللہ اپنی اپنی سطح پر کام کرنا شروع کر دیں گے۔ لوگ یہ بھی

پوچھتے ہیں کہ چلئے آپ نے انتخابات کروا دیئے اب اس کے بعد ۱۷ نومبر والے عام انتخابات کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ اس کے متعلق میں چند ایک چیزوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں خود کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ اس کا خود جائزہ لے لیجئے۔ قوم خود اُس کا جائزہ لے لے۔ اس کے بعد فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ میں وہ شخص نہیں جو یہ کہے کہ عوام طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ سب طاقت اور اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یہ مملکتِ خداداد ہے، یہ روٹی کپڑے مکان کی حکومت نہیں ہے، نہ ہی روٹی کپڑے مکان کا ملک ہے، یہ مملکتِ خداداد ہے اور اس ملک میں اگر کوئی طاقت اور اختیار کسی کو حاصل ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ہم تو سب اس کے خادم ہیں۔ اس کے ادنیٰ غلام ہیں۔ اگر ہم سے کسی کو کوئی ڈیوٹی، کچھ فرائض سونپے گئے ہیں تو یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کو صحیح طریقے سے پورا کریں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیاسی پارٹیاں کہہ رہی ہیں کہ وہ ان انتخابات کا بائیکاٹ کریں گی۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے پارٹیوں کی رجسٹریشن کا حکم دیا ہے۔ وہ رجسٹریشن کے لئے تیار نہیں ہیں تو یہ ۱۷ نومبر کے انتخابات کے متعلق جو نقشہ نظر آرہا ہے، اس کے متعلق کچھ تھوڑا سا عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ہمارے سیاسی لیڈر صاحبان، ہمارا پڑھا لکھا طبقہ، ہمارے ماڈرن زمانے کے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں جمہوری نظام ہونا چاہیئے، پاکستان میں پارلیمانی نظام ہونا چاہیئے کیونکہ انگلستان میں اسی طرح ہوتا ہے۔ اگر سوچا جائے تو نہ آپ کے باپ دادا انگلستان سے آئے تھے نہ میرے باپ دادا۔ انگلستان کے لوگ ہی ہم پر ڈیڑھ سو سال حکومت کر کے چلے گئے۔ وہ اپنی تمام بُرائیاں

ہمارے لئے چھوڑ گئے اور جو ہمارے اچھے اخلاق تھے وہ خود لے کر چلے گئے۔ اب اُس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جمہوریت ہمارے دماغ میں کیڑا بن کر بیٹھ گئی ہے۔ جمہوریت سے مجھے بھی محبت ہے، لیکن میرے دماغ میں جو جمہوریت کا تصور ہے وہ اسلامی جمہوریت ہے۔ جو چیز اسلام کے خلاف ہے میں اُس کی کبھی تائید نہیں کر سکتا۔ لوگ ۱۹۷۳ء کے آئین کا ذکر کرتے ہیں۔ اس آئین کی ایک شق نمبر ۱۷ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ تمام سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے حسابات، اپنی اپنی آمدنی کا قانون کے مطابق اعلان کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ چند دنوں سے ایک پارلیمانی وفد انگلستان سے آیا ہوا ہے۔ کسی اخباری نمائندے نے اُس سے پوچھا کہ ہمارے سیاسی لیڈر رجسٹریشن کے سلسلے پر بہت برہم ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حساب کتاب نہیں دیں گے۔ انگلستان میں کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جناب، انگلستان میں تو قانون ہے کہ آپ اپنی پارٹی کا منشور دکھائیں گے۔ اپنی پارٹی میں انتخابات کرائیں گے اور حکومتی اداروں کو اپنا حساب کتاب دکھائیں گے۔ جس جمہوری نظام کا وہ ذکر کر رہے ہیں وہاں یہ چیزیں موجود ہیں۔ یہاں ہم نے اس شق نمبر ۱۷ کے تحت ایک قانون بنا دیا ہے۔ اُس قانون کے تحت ہر سیاسی پارٹی کو یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ اس کی آمدنی کتنی ہے اور کہاں سے آئی ہے اور خرچ کس طرح کیا گیا۔ اس میں تو کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو ہاتھ نہ لگایا جائے، لیکن جب آئین کے مطابق میں نے یہ قانون بنایا تو اُس پر اعتراضات ہو رہے ہیں۔ دوسری چیز ۱۹۶۲ء کا ایک پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ہے۔ اس میں میرے نقطۂ نظر سے کچھ خامیاں ہیں اور مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اس میں

پاکستان کی بھلائی اور بہتری کے نقطۂ نظر سے اس کمی کو پورا کروں۔ ہم نے پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ میں کچھ کمی محسوس کی۔ سب سے پہلی کمی تو یہ تھی کہ اس چیز کا اعلان کیا جائے کہ پاکستان کے اندر کوئی ایسی سیاسی پارٹی نہیں ہو گی جو پاکستان کو اسلامی جمہوریت تصوّر نہ کرے۔ دوسرے وہ جو پاکستان کے نظریۂ اسلام کی مخالفت کرتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اُن کا اپنا منشور ہو، نظریۂ پاکستان کے مطابق ہو۔ اُن کا اپنا آئین ہو اور وہ بھی پاکستان کے آئین اور اس کے مقاصد کے مطابق ہو۔ اس کے علاوہ وہ اپنی پارٹی میں بھی جمہوریت پیدا کریں۔ پاکستان میں انتخابات کرنے کے لئے تو واویلا کر رہے ہیں، لیکن ڈھائی آدمیوں کی نشانی جو پارٹی ہے کیا اُس میں انہوں نے انتخابات کرائے ہیں؟ بعض بعض پارٹیاں تو تانگے کی سواری بھی پوری نہیں کرتیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ اپنی پارٹی کے انتخابات کرائیے پھر آکر مجھ سے بات کیجئے۔ اس چیز پر وہ فرما رہے ہیں کہ ہم بائیکاٹ کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ جس شخص کی جو مرضی ہو کرے، بائیکاٹ کرے، انتخابات میں حصّہ لے، نہ لے، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر ۱۷ نومبر کو انتخابات ہوئے تو ان انتخابات کی کامیابی اور ناکامیابی کی کسوٹی وہی ہے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔ یہ شرط ۲۵ ستمبر پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ اگر ۱۷ نومبر کو انتخابات ہوتے ہیں اور اُس میں جو بھی امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اگر پاکستان کے ساڑھے تین کروڑ ووٹر جن کے نام فہرستوں میں موجود ہیں، اگر اس کا پچاس، چالیس، ساٹھ فیصد حصّہ آکر ووٹ ڈالتا ہے تو انتخابات کامیاب ہیں۔ اگر دس فیصد، پندرہ فیصد لوگ ووٹ ڈالتے ہیں

تو انتخابات ناکام ہیں۔ اگر ہمارے سیاسی حضرات ان انتخابات کا بائیکاٹ کرتے ہیں اور اُن کے بائیکاٹ کی وجہ سے دس فیصد، پندرہ فیصد لوگ آتے ہیں یا آپ یہ کہہ لیجئے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ انتخابات منعقد ہی نہ ہوں، کوئی آگرہ انومبر کو ووٹ نہیں ڈالتا تو بتایئے میں کیا کروں۔ اس لحاظ سے انتخابات کو جانچنا یا کامیاب یا ناکامیاب ٹھہرانا کسی آدمی کے بائیکاٹ کرنے سے یا شرط ماننے اور نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا بشرطیکہ انتخابات میں عوام بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں یا بالکل حصّہ نہ لیں، اس کی کامیابی اور ناکامیابی اُس چیز پر منحصر ہو گی۔ اب ان شرائط کے متعلق جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ یہاں پر مرد ماشاء اللہ ڈیڑھ دو ہزار تشریف فرما ہیں۔ میری تو کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہے میری تو ایک پارٹی ہے فوج والے۔ میں آپ کو کوئی بس، تانگہ یا گاڑی دے کر یہاں نہیں لایا۔ آپ اپنی خوشی سے تشریف لائے ہیں۔ میں اس نمائندہ اجتماع سے پوچھتا ہوں کہ آپ صحیح معنوں میں دل پر ہاتھ رکھ کر یہ بتایئے کہ کیا ان کے اعتراضات کے میں نے جو جوابات دیئے ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط ہیں۔ اگر غلط ہیں جیسا کہ آپ ظاہر کر رہے ہیں تو مجھے امید ہے کہ ہمارے سیاسی لیڈر قوم کی خاطر، ملک کی خاطر، امن و امان کی خاطر، پاکستان کی سالمیت کی خاطر اپنا رجحان اسلام کی طرف لائیں گے اور وہ کام کریں گے جس سے ملک کی بہتری ہو نہ کہ ملک کے اندر انتشار پھیلے۔

سیاسی پارٹیوں کے متعلق میں پہلے بہت کچھ کہہ چکا ہوں۔ کراچی میں بھی کہہ چکا ہوں۔ امید ہے آپ نے اخباروں میں بھی پڑھا ہو گا، ٹی وی پر بھی سنا ہو گا، ریڈیو پر بھی سنا ہو گا۔ کل کوہاٹ میں بھی میں نے تقریر کی ہے۔ آج تین

جگہ یہی کہہ کے آرہا ہوں اور یہاں چوتھی جگہ بھی یہ دُہراؤں گا۔ میرے نقطۂ نظر سے سیاسی پارٹیاں اگر دائرہ اسلام میں رہیں تو پھر جو طریقۂ کار اسلام جائز قرار دیتا ہے، بسم اللہ اس کے مطابق کام کریں۔ آپ نے قرآن کی آیات سنیں کہ اے مسلمانو! آپس کے اندر تفرقہ بازی مت کرو۔ آپس کے اندر نااتفاقی مت کرو اور اگر دو فریق آپس میں لڑتے ہیں یا اُن کے اندر تلخ کلامی ہوتی ہے یا اُن کے اندر کوئی جھگڑا ہے تو اُن کو ملا دیتے۔ ہمارے ہاں اسّی سیاسی پارٹیاں ہیں جن میں سے کم از کم پندرہ ایسی ہیں جو اپنے آپ کو بڑی سیاسی پارٹیاں کہتی ہیں۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لیے تیار ہیں اور میں مانتا ہوں کہ سیاست میں نہ کوئی مستقل دوستی ہوتی ہے اور نہ ہی مستقل دشمنی ہوتی ہے۔ سیاست میں سب کچھ جائز ہے، لیکن اسلامی سیاست میں کوئی دین ایمان بھی تو ہونا چاہیئے۔ کل وہ ایک پارٹی کو گالی دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ انہوں نے پاکستان کو توڑا ہے۔ یہاں تک کہا ہے کہ اس پارٹی کی وجہ سے پاکستان کی عمارت میں دراڑیں پڑ گئیں۔ پاکستان کی سالمیت کو خطرہ ہے۔ آج یہ کہتے ہیں کہ جناب! اگر آپ نے یہ شرائط لگائی تو ہم پارٹی کے ساتھ ملیں گے۔ ابھی اسلامی معاشرہ بننے میں کچھ وقت لگے گا۔

میں نے کراچی میں عرض کیا تھا کہ پاکستان میں جو کمزوریاں ہیں وہ مجھے معلوم ہیں اور میں خود اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہوں کیونکہ بطور سربراہِ مملکت ہونے کے یہ میرا فرض ہے کہ جو میں کہوں وہ کروں، اور عوام کی تکالیف کو دُور کروں۔ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دینا میرا فرض ہے۔ میرے فرائض میں یہ بھی شامل ہیں کہ جرائم کم ہوں، رشوت ستانی کم

ہو، مہنگائی کم ہو، لوگوں کو امن و امان نصیب ہو اور سب محنت سے کام کر کے، اس ملک کی عزت میں اضافہ کریں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ جرائم میں بھی اضافہ ہوا، رشوت ستانی بھی بڑھی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہماری بہت سی کمزوریاں ہیں، لیکن اگر آپ کہیں مجھے کریڈٹ دینا چاہتے ہیں یا ہماری حکومت کو کریڈٹ دینا چاہتے ہیں یا اگر پاکستان کے عوام مجھے نہیں اپنے آپ کو کوئی کریڈٹ دینا چاہتے ہیں تو کریڈٹ یہ ہے کہ آج اس پاکستان میں تیئیس سال کے بعد جس مقصد کے لئے یہ پاکستان بنا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ، اُس کا آج نام لیا جا رہا ہے۔ آج لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے، اسلام کے نام پر قائم رہے گا۔ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلامی معاشرہ لائیے، لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام میں سود کا کوئی جواز نہیں ہے، اس کو ختم کیا جائے۔ شراب حرام ہے، اس کو ممنوع قرار دیا جائے۔ جو لوگ جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں، اُن کو سزائیں دی جائیں۔ آپ کی توقعات ہم سے یہ ہیں کہ جو چور نظر آئے، اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ زانی کو سنگسار کیا جائے، جو جرائم پیشہ لوگ ہیں ان کو سخت سے سخت سزا دی جائے، لیکن اس میں کچھ دشواریاں ہیں۔ میں اپنی ذمہ داری کسی اور پر نہیں ڈال رہا ہوں، لیکن میں آپ کے سامنے صرف اپنا کیس پیش کر رہا ہوں، صرف اس وجہ سے نہیں کہ مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت ہے بلکہ اس وجہ سے شاید آپ اس چیز کو سمجھ سکیں۔ اس میں دو چیزیں ہیں۔ میں آپ کو یقین سے کہہ رہا ہوں کہ ہم ۵ جولائی کو جب آئے تھے تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ پاکستان کی حکومت کا کتنا ابتر حال ہے۔ ہم اس وجہ سے آئے تھے کہ دو پارٹیاں آپس میں

اختلافات کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ ایک طرف اسلام کے نام لیوا تھے، دوسری طرف لادینیت کے علمبردار۔ ان دونوں کو علیحدہ کیا جائے اور پھر فیصلہ پاکستان کے عوام پر چھوڑ دیا جائے۔ الیکشن کروانے کے بعد جو پارٹی اقتدار میں آئے، اقتدار اُس کو منتقل کر دیا جائے اور ہماری چھٹی، لیکن جب کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ ملک کس نازک مقام تک پہنچ چکا ہے، اس چیز کو سنبھالنے کے لئے ہم نے انتخابات منسوخ کئے۔ اس کے بعد ہماری حکومت کی جو زندگی ہے وہ ایک دن سے دوسرے دن تک رہی کہ کل یہ کام ہو گا تو پرسوں سے ہم یہ کریں گے، کل یہ چیز ہو گی تو پرسوں سے ہم یہ کریں گے۔ اس طرح ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصے میں ہم نے اسلامی نظام کی طرف قدم بڑھائے۔ اس کے بعد دو صورتیں ہمارے سامنے ہیں۔ یا تو ہم یہ کرتے جو آج کل ایران میں ہو رہا ہے۔ ماشاءاللہ ایران میں اسلام آ رہا ہے، انقلاب آ رہا ہے اور اس انقلاب کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کا نظریہ لانے کے خواہاں ہیں۔ ہمارے اختیار میں بھی یہ تھا کہ ایک انقلاب برپا کیا جاتا، لیکن انقلاب میں گیہوں اور گھن دونوں پس جاتے ہیں۔ پھر چھوٹے اور بڑے کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ایک ایسا نیا معاشرہ تشکیل پائے جس کی لوگ خواہش کرتے ہوں، لیکن اکثر و بیشتر حالات اس سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم نے اس راستے سے پہلو تہی کی کیونکہ قیامِ پاکستان کے دوران جو قربانیاں دی گئیں تھیں، ان میں کافی سے زیادہ خون بہہ چکا ہے۔ پاکستان نے تین جنگوں میں حصہ لیا ہے۔ تینوں جنگوں میں شہدا نے اس ملک کی خاطر اپنی جانیں نثار کی ہیں۔ تو جہاں

تک خون بہانے کا تعلق ہے، قربانی دینے کا تعلق ہے، ہمارے لوگوں نے، ہمارے شہیدوں نے، ہمارے آباؤ اجداد نے، ہمارے عزیزوں نے بہت سی قربانیاں دی ہیں۔ اس کے بعد دوسری صورت ہمارے سامنے یہ تھی کہ اسلامی نظام کو لانے کے لئے اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے اور اس معاشرے کے لئے کوشش یہ کی جائے کہ عوام کے ذہنوں کو تیار کیا جائے اور انہیں آہستہ آہستہ اسلام کی طرف لایا جائے۔ ہم نے اس چیز کو ترجیح دی، کچھ قوانین بنائے، کچھ لوگوں سے التجا کی، بعض جگہ احکامات بھی دیئے، لوگوں کو نماز پڑھنے کی تلقین بھی کی۔ اس کا اثر بعض جگہ اچھا ہوا، بعض جگہ اچھا نہیں ہوا۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے، ہم نے حدود کے قوانین بنائے اور ان کے اطلاق کا فرض سپیشل کورٹس کو دینے کی بجائے ہم نے یہ کام عدلیہ کے حوالے کر دیا۔ عدلیہ ایک طریقۂ کار کے مطابق کارروائی کر رہی ہے اور عدلیہ پر لوگوں کا اعتماد بھی ہے۔ ہم نے یہ کارروائی ان کے سپرد کی ہے۔ اب عدلیہ کی جو کارروائی ہے وہ صریحاً اور صحیح معنوں میں ابھی اسلامی رنگ میں نہیں ڈھلی ہے۔ اس لئے ہم نے یہ کیا کہ ہر سطح پر، ہائی کورٹ کی سطح پر اور ضلعی سطح پر کچھ مجسٹریٹ، کچھ ایڈیشنل سیشن جج مقرر کئے۔ ان کے نظام میں ہم نے کوئی تبدیلی نہیں کی، صرف نفسیاتی اثر کی خاطر ہم نے انہیں اسلامی عدالتیں کہا، حالانکہ وہی سیشن جج وہاں بیٹھا ہے، اُس کے وہی اختیارات ہیں لیکن اسلامی قوانین کے تحت اگر مقدمات اُن کے پاس آئیں تو وہ ان چار حدود کے مطابق فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ انتظامیہ نے اور خاص طور پر پولیس نے اس میں ہماری بالکل مدد نہیں کی۔ وہ اس وجہ سے کہ اگر کوئی

مقدمہ کمزور آیا ہے تو اسے شریعت کورٹ (شریعت کورٹ کا لفظ میں اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ یہ عام فہم ہے) کے حوالے کر دیا تاکہ وہ فیل ہو جائے۔ عوام میں یہ مشہور ہے اور عوام کی آواز اگر کچھ کہتی ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوتی ہے۔ اس وقت عوام یہ کہتے ہیں کہ جناب! تین قوانین نافذ ہیں۔ ایک تو عام سول قوانین ہیں، دوسرے مارشل لا کے ضوابط ہیں اور تیسرے اسلامی قوانین ہیں۔ پولیس نے اس صورتِ حال کا ناجائز فائدہ اٹھایا، رشوت ستانی بڑھ گئی ہے۔ سب سے زیادہ رشوت مقدمے کو شریعت کورٹ کی بجائے سول کورٹ میں داخل کرنے کی لی جاتی ہے۔ اگر آپ کے پاس زیادہ رقم نہیں ہے تو پھر آپ کا مقدمہ مارشل لا میں دیا جاتا ہے، لیکن اگر آپ بالکل اچھی رقم دے سکتے ہیں تو پھر سول عدالت میں جائے گا کیونکہ وہاں پر فیصلے دیر سے ہوں گے۔ عوام کو یہ شکوہ ہے اور بہت حد تک بجا ہے۔ انتظامیہ کو چاہیئے، پولیس کے اعلیٰ حکام کو چاہیئے کہ یہ دھبّہ جو ہے وہ مٹا دیا جائے اور یہ دھبّہ اس وقت مٹ سکتا ہے جب پولیس خاص طور پر اور انتظامیہ عام طور پر صحیح معنوں میں عوام کے مسائل حل کرے۔ وہ کوشش بہت کر رہے ہیں۔ بعض جگھوں پر اُن کو کامیابی حاصل ہوئی ہے بعض جگھوں پر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ بلدیاتی انتخابات کے بعد جو بلدیاتی ڈھانچہ بنے گا اس میں انتظامیہ کا بہت سا کام بلدیاتی ادارے کریں گے تاکہ ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کے اختیارات میں کمی آئے، کچھ ان کی ذمہ داری کم ہو جائے گی، کچھ اُن کا کام کم ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ باقی کام انشاءاللہ صحیح مسلمان ہونے کی حیثیت سے صحیح طریقے پر کریں گے۔ اب میں نے

تمام جسٹس صاحبان کو لکھ کر بھیجا ہے اور ان سے عرض کی ہے کہ ہم نے ۱۰ فروری ۱۲ ربیع الاول کو جو اعلان کیا تھا وہ میں نے فردِ واحد کی حیثیت سے نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ ان قوانین کو کامیاب بنانے میں آپ کا بھی اتنا ہی حصّہ ہے جتنا کہ میرا ہے۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ یہ جو ہم نے کورٹس مقرر کئے ہیں جن کے اندر جرائم کی سماعت اسلامی قوانین کے مطابق کی جائے گی، مہربانی کر کے ان کے کچھ نتائج نکالیئے۔ اگر کچھ اور نہیں تو جو صحیح معنوں میں چور پکڑا جاتا ہے تو اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر ایک مجرم کا ہاتھ کٹ گیا تو ایک مہینہ آرام سے گزر جائے گا، لیکن ان کا کیا طریقہ ہے۔ ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت میں مقدمہ گیا ہے۔ انہوں نے تو فیصلہ دے دیا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیجئے، لیکن چونکہ اپیل کا حق موجود ہے، وہ سیشن کورٹ میں گئے۔ سیشن جج نے دیکھا کہ اسلامی قوانین کے لئے تو اسلامی شہادت بھی ہونی چاہیئے، اُس کے مطابق اس سلسلے میں دو چشم دید گواہوں کی موجودگی ضروری ہے اور ان گواہوں کا کردار بھی صحیح معنوں میں اسلامی ہو۔ انہوں نے مطلوبہ گواہ نہ ملنے پر مقدمہ خارج کر دیا۔ اس کو تعزیرات میں لے آیئے۔ کتنے ہی مقدمات ہیں جن کا فیصلہ شریعت کورٹ میں ہوا ہے، لیکن اپیل میں ختم ہو گئے یا اسی سطح پر ختم ہو گئے۔ کچھ ہائی کورٹ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس چیز کا ہم جائزہ لے رہے ہیں۔ آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ ہم نے اپنے آپ کو عدلیہ کے حوالے اس وجہ سے کیا ہے کہ اس وقت پاکستان میں مارشل لا لگا ہوا ہے اور مارشل لا کا نظریہ آپ کی نظر میں اور میری نظر میں کچھ اور ہے کیونکہ ۱۹۵۳ء کا مارشل لا

ہماری نظروں میں ہے، ۱۹۵۸ کا مارشل لا ہماری نظروں میں ہے، ۱۹۶۹ء کا مارشل لا ہماری نظروں میں ہے، لیکن موجودہ مارشل لا کسی کی نظر میں نہیں ہے۔ ہم نے کسی کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی۔ مارشل لا کے قوانین بنائے، لیکن عدلیہ سے ان پر عمل درآمد کرایا۔ اگر ہم نے کسی کو پکڑا ہے تو اس نے اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، ہائی کورٹ میں گیا ہے اور رٹ دائر کی ہے۔ آج سینکڑوں مقدمات مارشل لا کے ایسے ہیں جو ہائی کورٹ میں رٹ کی وجہ سے پڑے ہوئے ہیں۔ عدلیہ کی طرف سے اگر کسی وجہ سے آپ کی توقعات پوری نہیں ہوئی ہیں تو اس کی وجہ عدلیہ کا بہت زیادہ محتاط طریق کار ہے۔ انشاء اللہ اگر موقع ملا، حالات درست رہے اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو انشاء اللہ پھر ان قوانین پر سختی کے ساتھ عمل درآمد کروایا جائے گا۔ اس کا میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں۔

بلدیاتی اداروں کے متعلق میں اظہار خیال کر چکا ہوں اور بلدیاتی ادارے کب شروع ہوں گے اس کے متعلق میں نے بتا دیا ہے۔ ایک چیز کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آج لالہ موسیٰ میں میاں رضی الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ ایک عجیب قصہ ہے کہ جب پاکستان میں مارشل لا لگتا ہے، فوجی حکومت آتی ہے تو اقتدار کو منتقل کرنے کے لئے بلدیاتی اداروں کا انتخاب کیا جاتا ہے، ان کو مستحکم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب سیاسی پارٹیاں آتی ہیں تو ان کو ایک دم ختم کیا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ سیاسی عمل تو سیاسی حکومت کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس کا جواب آپ خود سوچیئے کہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے میں

یہ کوشش کر رہا ہوں کہ اقتدار پُرامن طریقے سے عوام کو منتقل ہو، لیکن اُن لوگوں کو جو مجھے پاکستان کی سالمیت، پاکستان کے استحکام کی گارنٹی دیں گے۔ انتخابات کراؤں گا' لیکن انتخابات برائے انتخابات نہیں۔ جب تک مجھے یہ یقین نہیں ہو گا کہ پاکستان میں برسرِاقتدار آنے والا طبقہ، پاکستان میں آنے والی حکومت اس قابل ہے کہ وہ اسلام کا بول بالا کرے گی، نظامِ اسلام کو قائم کرے گی اور اس ملک کو سلامتی بخشنے کے لئے وہ تمام کارروائیاں کریں گے جن کی مجھے اور آپ کو توقع ہے پھر تو الیکشن کراؤں گا ورنہ اس کے متعلق سوچا جائے گا۔

آج میں نے جان بوجھ کر ایک چیز کی طرف توجہ نہیں دی ہے، کیونکہ اس کے متعلق آپ بہت کچھ سن چکے ہیں اور پاکستان کے اندر اور پاکستان کے باہر اس پر اتنا کچھ کہا جاچکا ہے کہ میں اتنا کہنے کے بعد اس پر اور کچھ روشنی نہیں ڈالنا چاہتا کہ ہمارا ایک چھوٹا سا منصوبہ ہے جسے ہم اپنا بہت محدود اور مختصر جوہری توانائی کا پروگرام کہتے ہیں۔ اس پروگرام کی روح پُرامن ہے۔ اس کا میں اعلان بین الاقوامی سطح پر بھی کر چکا ہوں اور پاکستان کے اندر بھی۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں کامیابی عطا فرمائیں اور اس میں استقامت نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس وقت ہم میں ایسے آدمی موجود ہیں جن کا کوئی جواب نہیں، جن کے مقابلے کا یورپ میں بھی کوئی آدمی موجود نہیں، وہ ایسی ٹیکنالوجی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ نہایت جدید ہے اور جس کی یورپ میں بھی صرف ایک دو جگہ مثال ملتی ہے لیکن ہم پُرامن مقاصد کے لئے کام کر رہے ہیں۔ جوہری توانائی کی مثال تلوار کی سی

ہے۔ اگر آپ پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو آپ اس سے اپنا دفاع بھی کر سکتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو اس سے اپنا گلا بھی کاٹ سکتے ہیں۔ اب آپ اپنا گلا کاٹیں گے یا اپنا دفاع کریں گے، اس بات کا فیصلہ میں آپ لوگوں پر چھوڑتا ہوں۔ ہمیں اس وقت پاکستان میں قدرتی وسائل کی کمی کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس کمی کو صرف جوہری توانائی پورا کر سکتی ہے۔ مغربی ممالک یہ ٹیکنالوجی ہمیں منتقل کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہم پُرامن طریقے سے یہ کام کر رہے ہیں۔ ہندوستان یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے دھماکہ کیا لیکن بڑا پُرامن دھماکہ تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ آپ بھی دھماکہ کرنے والے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں آپ پُرامن دھماکہ کرنے والے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ پُرامن اور غیر پُرامن دھماکے میں کیا فرق ہے۔ وہ خاموش ہو گئے۔ تو میں عرض کر رہا ہوں کہ مغربی ممالک ہمیں یہ ٹیکنالوجی منتقل کرنے کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس سے شاید اپنا گلا کاٹیں گے یا کسی اور کا گلا کاٹیں گے۔ اس لئے اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں اللہ پر توکل کرنا چاہیئے اور اس نے ہمیں جو صلاحیت بخشی ہے، اُسے بروئے کار لا کر پُرامن ذرائع سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہمیں اس کی طرف پوری توجہ دینی چاہیئے، لیکن دوسروں پر اعتبار کرنا میرا ایمان ہے، لیکن ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو تھوڑی بہت سمجھ دی ہے، اس کی روشنی میں مجھے یہ لال بتی نظر آ رہی ہے۔ جس طریقے سے مغربی ممالک نے ہم پر دباؤ ڈالا ہے، اگر اس کا ۲۵ فیصد ایک سیاسی حکومت پر ڈالا جاتا اور پھر انہیں وہ سبز باغ دکھائے جاتے جو کہ ہمیں بھی دکھائے گئے

ہیں تو ایک سیاسی پارٹی جو یہ کہتی آئی ہے کہ ہم سڑکیں بنا دیں گے، ٹرانسپورٹ کے لئے بسیں لا کر کھڑی کر دیں گے، ہر گاؤں میں بجلی پہنچا دیں گے، پورا پاکستان ایک جنّت بن جائے گا۔ جب وہ پاکستان کی حکومت سنبھالیں گے اور دیکھیں گے کہ جیبیں خالی ہیں، صرف ایمان باقی ہے اور مغربی ممالک اُن سے کہیں گے کہ یہ لیجئے چار بلین ڈالر ہم دے رہے ہیں تو اُس وقت اگر وہ گھٹنے ٹیک گئے تو پھر یہ موقع پاکستان کو کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ آپ مجھے یہ بتایئے کہ وہ کونسا ایسا گر ہے، وہ کونسا ایسا قانون ہے یا ایسا طریقہ ہے جس سے مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اگر دوسرے لوگ آئے اور اقتدار میَں نے اُن کے حوالے کیا تو وہ اس عمل کو مدد کے لالچ میں ترک نہیں کر دیں گے جس کے ہم بہت قریب ہیں اور جیسا کہ میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ یہ تمام پروگرام پُر امن مقاصد کے لئے ہے، پاکستان کی ترقی کے لئے ہے، پاکستان کی بہتری کے لئے ہے۔ ہم کوئی شرائط قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بطور آزاد ملک کے یہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ ہمیں کہے کہ یہ شرط قبول کر لو اور وہ شرط قبول کر لو۔ ہاں اپنی مرضی سے ہم جو چاہیں کریں۔ آپ اس سے اتفاق کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو صلاحیت بخشی ہے، ہم اس کو صحیح معنوں میں بروئے کار لا کر پاکستان کی خدمت، پاکستان کی ترقی اور پُر امن مقاصد کے لئے اس ٹیکنیک کو نہ صرف اپنائیں بلکہ اس کو اور زیادہ فروغ دیں۔

میں نے پوری تقریر میں خواتین کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کا ذکر آخر میں کرنا چاہتا تھا کراچی میں جب میَں نے خواتین کا ذکر کیا اور کہا کہ خواتین پاکستان کی آبادی کا چالیس فیصد حصّہ ہیں تو ایک خاتون کھڑی ہوئی اور کہا کہ خواتین

پاکستان کی آبادی کا ساٹھ فیصد حصّہ ہیں۔ تو میں نے کہا کہ چالیس فیصد ہوں یا ساٹھ فیصد۔ اہم بات یہ ہے مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ جب تک کہ دونوں صحیح طریقے سے پٹڑی کے اوپر نہیں چلیں گے، گاڑی کے لڑھکنے کا خطرہ ہے۔ اس لئے چالیس یا ساٹھ فیصد آبادی کو قوم سے الگ نہیں رکھ سکتے۔ اسلام نے عورت کے ذمے کچھ فرائض عائد کئے ہیں۔ عورت سے یہ بھی کہا ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے، خاندان کنبے کی خدمت کرے۔ بچّوں کو تعلیم دے اور ایسے معاملات میں حصّہ لے جس میں اس کی صلاحیّت اجاگر ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر تاریخ میں آپ خواتین کے کردار کا جائزہ لیں تو خواتین نے جنگوں میں حصّہ لیا ہے، خواتین نے زخمیوں کی امداد کی ہے، خواتین نے حکومت بھی کی ہے، وہ بادشاہوں کی پشت پناہ بھی رہی ہیں۔ اسلامی تاریخ میں خواتین کا اہم کردار رہا ہے۔ اس لئے میں پاکستان کی خواتین سے توقع کروں گا کہ وہ بھی نظریۂ اسلام کے مطابق اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے کوشش کریں کہ اُن سے پاکستان کی جتنی زیادہ سے زیادہ خدمت ہوسکتی ہے وہ کریں۔ آپ کی خدمت کرنا حکومت اور میرا کام ہے۔ پاکستان کی خدمت کرنا آپ کا فرض ہے اور آپ وہ کام بروئے کار لاسکتی ہیں جس کا آپ کو آپ کا ضمیر اجازت دیتا ہے، آپ کا دین اجازت دیتا ہے، آپ کا معاشرہ اجازت دیتا ہے۔

آخر میں میَں آپ حضرات سے گزارش کروں گا کہ پاکستان کے ایک بہت بڑے عالمِ دین کا انتقال ہوا ہے۔ جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کل اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ انسان فانی ہے۔ ایک نہ ایک دن ہم سب کو

یہاں سے جانا ہے۔ کسی نے دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہنا۔ اگر کچھ رہے گا تو انسان کے کام کا نام رہے گا۔ مولانا موصوف نے اسلام کی بہت خدمت کی ہے۔ انہوں نے جو ملک کے باہر اور پاکستان گیر شہرت حاصل کی ہے اُس کو نظر میں رکھیے، آپ پر واضح ہو جائے گا کہ پاکستان ایک بڑے مجاہد، بڑے عالم اور ایک بڑے مفکر سے محروم ہو گیا ہے۔ آپ سے درخواست کروں گا کہ دعا کریں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اُن کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی وفات کی وجہ سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے، اُس کو جلد پورا کرے۔ فاتحہ پڑھیئے، اِس کے بعد اجازت ہے کہ جو صاحب سوالات پوچھنا چاہیں، بڑے شوق سے پوچھ سکتے ہیں۔

بہاولپور میں معززین سے خطاب

۲۴ ستمبر ۱۹۷۹ء

عوامی رابطے کے سلسلے کی ایک کڑی صدرِ پاکستان کا بہاولپور کے معززین سے خطاب تھا۔ یہاں صدرِ پاکستان نے پہلے حاضرین کی باتیں سُنیں اور پھر ان کی روشنی میں اُن سے خطاب کیا۔ ابتدائی کلمات میں گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل سوار خان نے کہا کہ صدرِ پاکستان بذاتِ خود حالات کا مشاہدہ کرنے اور آپ کے مسائل سُننے کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں۔ اس لئے آپ حضرات کھل کر بات کیجیے۔ مولانا محمد عارف نے علما کی طرف سے صدرِ پاکستان کو اسلامی اقدامات پر مبارکباد دی۔

اپنی تقریر میں صدرِ پاکستان نے تعلیم، زراعت اور امن و امان کے شعبوں میں حکومت کی پالیسیوں کی وضاحت کی۔ کپاس کی خرید اور برآمد کے بارے میں صدرِ پاکستان نے کہا کہ خرید ہر کوئی سکتا ہے لیکن کاشت کار کو مقررہ امدادی قیمت ہر صورت میں ملنی چاہیئے۔ البتہ برآمد کرنے کا واحد ادارہ پاکستان ایکسپورٹ کارپوریشن ہے تاکہ برآمدی معیار برقرار رہے اور ملک کی بدنامی نہ ہو۔ صدرِ پاکستان نے بہاولپور میں پہلے بیت المال کے قیام کا اعلان کیا اور اِس کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے دس لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

جناب گورنر پنجاب، لیفٹیننٹ جنرل سوار خان

اور

معزّز حاضرین!

السّلام علیکم۔ میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ اس گرم موسم میں آپ نے میرا بہت انتظار کیا ہے اور لوگوں کی تقاریر اطمینان سے سنیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک ہماری حکومت کا تعلق ہے، ہم کسی خوش فہمی میں نہیں۔ خوش فہمی سے میری مراد یہ ہے کہ ہم اپنی تعریفیں وغیرہ زیادہ نہیں سننا چاہتے۔ میں سپاہی ہوں، اسی طرح ہمارے اور جو ساتھی ہیں، وہ سپاہیانہ طریقے سے مسائل کو حل کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ میں کوئی اپنی تعریف نہیں کرنا چاہتا ہوں، لیکن آپ نے دیکھا ہو گا کہ مسائل کا آدھا حل یہ ہوتا ہے کہ آپ کو مسئلے کا علم ہو جائے تو یہ آدھا حل مسائل کو سننے میں نکل آئے گا۔ کیونکہ انتظامیہ میں فرشتے نہیں ہیں، نہ ہی وہ آسمان سے اتر کر آئے ہیں، نہ ہی کسی اور قوم کے آدمی ہیں۔ میرے خیال کے مطابق عوام کو جو تکلیف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری انتظامیہ

کے پاس اتنے زیادہ کام ہیں کہ ان کو فائلوں اور دوروں سے فرصت ہی نہیں ہوتی کہ وہ ان کی طرف توجہ دیں اور عوام سے مل کر باتیں کریں کیونکہ میرے خیال کے مطابق اگر انتظامیہ کے مختلف حصے آپس میں رابطہ قائم کریں اور کاغذی کارروائیوں کی بجائے عملی کام کریں تو آدھی تکالیف دور ہو سکتی ہیں۔ ان کو اگر فوراً حل نہ بھی کیا جائے تو بھی میں نے یہ دیکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو اتنا بھی کہیں کہ اچھا بھائی بتائیے آپ کو کیا تکلیف ہے۔ میرے بس میں جو ہوا میں فوراً کر دوں گا تو اس سے بھی بہت فرق پڑتا ہے۔ بعض ایسے مسائل ہیں جن کا فوری حل نہیں ہوتا، لیکن اگر سن کر انہیں یہ کہہ دیا جائے کہ ہاں آپ کا مسئلہ مجھے معلوم ہے تو ان کی بھی تسلی ہو جائے گی اور اپنا ضمیر بھی مطمئن ہو گا۔ اس لئے میں آپ کا نہایت مشکور ہوں کہ آپ نے نہایت اطمینان اور خوش اسلوبی سے اپنی تکالیف کو بیان کیا۔ ہمارے ہاں ملکی مسائل بہت سے ہیں اور تمام مسائل ایک ساتھ تو حل نہیں ہو سکتے۔ بعض کا حل بات چیت میں ہے، بعض کا حل لکھت پڑھت میں، بعض کا حل مالی وسائل میں۔ یہ یقینی بات ہے کہ مالی وسائل جتنے زیادہ ہوں گے، اتنا ہی مسئلہ آدمی حل کر سکے گا، لیکن کوئی ملک ایسا نہیں جہاں حکومت اپنے صنعت کاروں، کاشت کاروں، طالب علموں اور مزدوروں کے سب تقاضے پورے کر سکے۔

ابھی آپ کے ہاں بہاول پور میں آنے کے بعد میں PARS ٹیکسٹائل مل میں گیا، مل کو دیکھ کر میری طبیعت بہت خوش ہوئی۔ یہ مل نئی بنی ہے۔ مل صاف ستھری تھی، بڑی اچھی چل رہی تھی۔ عام طور پر میں نے یہ دیکھا ہے کہ اگر میرے جیسا آدمی آجائے تو کام کرنے والے یا تو انتظامیہ کے کہنے پر یا خود بخود کام چھوڑ کر تالیاں بجانی شروع کر دیتے ہیں۔ ان تمام مزدوروں کو میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک آدمی بھی

مشین چھوڑ کر میرے پاس نہیں آیا۔ مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ میں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ آپ کا یونین لیڈر کون ہے تو اس نے کہا کہ، ہمارے ہاں تو یونین ہے ہی نہیں۔ مجھے بالکل یقین نہیں آیا۔ میں نے دوسرے آدمی سے پوچھا آپ کی یونین کا کیا نام ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں تو یونین ہے ہی نہیں مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ موجودہ پاکستان میں، بہاولپور میں کیسے ہوگیا کہ ایک مل کے اندر کوئی یونین نہیں اور ان کا کام بہت احسن طریقے سے ہو رہا ہے جو میں نے خود دیکھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں ملک کے اندر اور جہاں بہت سے مسائل ہیں وہاں دو چیزوں کی طرف توجہ نہایت ضروری ہے۔ ایک کا ذکر آپ حضرات نے خود کیا، ایک کا میں نے۔

زمیندار آدمی جو اپنا پیٹ پالتا ہے اور آپ کا اور میرا پیٹ بھی پالتا ہے، جو بڑا زمیندار ہے جس کے پاس سو ڈیڑھ سو مربع زمین ہے، ایسے لوگ بہت تھوڑے رہ گئے ہیں کیونکہ انہوں نے سب آپس میں تقسیم کرلی، لیکن اگر ان کے پاس ہے تو ان کا تو کچھ سیاست میں عمل ہوگا، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ زمیندار عموماً حکومت کا ساتھ دیتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کی تمام مراعات کا ذریعہ حکومت ہی ہے۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس میں زراعت ہماری ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے بہت سے ایسے معاملات میں جن کو حکومت حل کرتی رہتی ہے، کاشت کار اپنے مسائل بھی بیان کرتا ہے تو اطمینان اور تسلی کے ساتھ۔ آپ نے آج تک بتایئے کہ پاکستان میں کہیں بھی یہ دیکھا ہے کہ کاشت کاروں نے، زمینداروں نے جلسہ جلوس نکالا ہو جلسے جلوسوں کی باتیں آپ نے مختلف شہروں میں ہی سنی ہونگی کہ مزدوروں نے فلاں جگہ ہڑتال کردی، طلبہ نے فلاں مدرسہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ دو مسئلے ہمارے لئے غور طلب ہیں۔ ایک مزدوروں کا مسئلہ دوسرا طلبہ کا۔ طلبہ کا ذکر میں اس لئے لایا ہوں کہ ایک استاد صاحب

نے اس کی بات کی۔ جہاں تک مزدوروں کا تعلق ہے، وہ بنیادی طور پر بہت محنتی ہیں۔ پاکستانی مزدور جب انگلینڈ جاتا ہے تو تین شفٹیں ایک گھر میں رہتے ہوئے کام کرتا ہے۔ انگلستان کی حکومت سے پوچھ لیجیے۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، ویسٹ انڈیز اور دوسرے ممالک میں سے بہترین کام کرنے والے مسلمان اور ان میں سے خاص کر کشمیری پاکستانی ہیں۔ دوسری جگہ آپ چلے جائیں، ابوظہبی میں چلے جائیں، دوبئی جائیں، سعودی عرب میں چلے جائیں، وہاں آپ کو سب یہی بتائیں گے۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہمارا کوئی آدمی باہر تو جا کر اچھا کام کرتا ہے، اندرونِ ملک ہم اسے کہتے ہیں کہ وہ سیاست لڑاتا ہے۔ اس کی وجہ دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ مزدوروں کے اندر سیاست لائی گئی ہے اور دوسرے ان کے جائز مسائل ہیں کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے بھی اللہ تعالیٰ نے سب کی روزی مقرر کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے آپ میں سے چھوٹے بڑے پیدا کئے ہیں، کالے سفید پیدا کئے ہیں، آپ کے قبیلے پیدا کئے ہیں تاکہ آپ کی پہچان ہو سکے۔ جو آدمی جتنی محنت کرے گا، اتنا ہی کمائے گا اور ساتھ ہی مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا عقیدہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو آپ کے مقدر میں لکھا گیا ہے وہ آپ کو ضرور ملے گا اور ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ اگر آپ محنت کریں گے تو اس محنت کو اللہ تعالیٰ کبھی رائگاں نہیں جانے دے گا۔ تو جہاں تک مقدر، محنت اور مسائل کا تعلق ہے، یہ انتظامیہ کا فرض ہے کہ مزدوروں اور غریب لوگوں کے مسائل کو حل کریں۔ مزدوروں کا یہ فرض ہے کہ وہ جہاں پر جس برتن میں کھائیں اس میں سوراخ نہ کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کارگاہوں میں سے سیاست نکال دینی چاہیئے کیونکہ پاکستان کو اس وقت دو چیزوں کی بہت اشد ضرورت ہے۔ ایک پیداوار اور دوسری بچت۔ بچت اور پیداوار میں اضافہ کون کرے گا، زمیندار کرے گا تاکہ

فصل بڑھے۔ پیداوار میں اضافہ کون کرے گا؟ مل کا مزدور کرے گا اور بجت میں آپ اور میں سب شامل ہیں۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ملک کی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے صحیح طریقے پر بجت کا انتظام کریں۔ ہمیں امید ہے کہ انشاءاللہ اس مسئلے پر غور ہوگا اور اگر ہمیں موقع ملا تو اس کو حل کریں گے۔

دوسرا اہم مسئلہ تعلیم کا ہے جس میں اساتذہ اور طلبہ دونوں شامل ہیں۔ آج کل ہمارے تمام تعلیمی ادارے سیاست کے گڑھ بنے ہوئے ہیں۔ تمام سیاسی پارٹیوں نے ایک نام سے یا دوسرے نام سے وہاں پر یونینیں قائم کر رکھی ہیں۔ طلبہ کے اندر اس وقت جنگ وجدل کا سا سماں ہے اور امن وامان اگر کہیں درہم برہم ہوا ہے تو تعلیمی اداروں کے اندر۔ اس میں اساتذہ کا بھی اتنا ہی قصور ہے جتنا طالب علموں کا ہے۔ بعض تعلیمی اداروں میں اساتذہ نے خود گڑبڑ کرائی ہے۔ میرا یہ یقین ہے کہ جو استاد اصلی معنوں میں استاد ہوگا، جس کو اپنی عزّت کا خیال ہوگا، جو تعلیمی معیار رکھتا ہوگا، جو محنت سے اپنے طالب علموں کو پڑھاتا ہوگا، وہ ٹیوشن کی خاطر کام نہیں کرواتا ہوگا۔ اب بھی آپ دیکھیں گے کہ لوگ اس کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کوئی پرنسپل ایسا نہیں جو اگر صحیح معنوں میں کام کرے، ڈسپلن رکھے تو اس کے سکول یا کالج کے اندر بدامنی پھیل سکے۔

دوسرا مسئلہ تعلیمی اداروں کا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ تعلیمی اداروں میں انتظام بہتر ہو، پینے کا پانی ہو، بیٹھنے کی جگہ ہو، بجلی کے پنکھے ہوں، کتابوں کے ملنے میں کوئی دقّت نہ ہو، اساتذہ اچھے ہوں، لیبارٹری کا سامان ہو اور بلڈنگیں ہوں۔ یہ تو حکومت کا کام ہے اور پڑھانا اور پڑھنا اساتذہ اور طلبہ کا کام ہے۔ انشاءاللہ تعلیمی ماحول کو بہتر بنایا جائے گا۔

طلبہ کے متعلق مجھے امید ہے کہ میرے جوان بھائی جو کہنا چاہتے تھے میں نے ان کی ساری باتوں کا جواب دے دیا۔ اگر آپ کو بس چاہیئے، سائیکل چاہیئے، فیس چاہیئے تو آپ یہاں کے ڈی۔ ایم۔ ایل۔ اے سے رجوع کیجئے۔ آپ کے جو مسائل ہیں وہ ضرور حل کریں گے۔

اس کے علاوہ میں چند ایک چیزوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جن کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ میں اختصار سے بیان کروں گا۔ جہاں تک کپاس کی قیمتوں کا تعلق ہے، ابھی میں ملتان سے آرہا ہوں۔ وہاں انہوں نے مجھے بڑی تفصیل سے حالات بتائے جو کیڑوں وغیرہ کے کنٹرول کے متعلق ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سکیم ابھی بالکل صحیح معنوں میں مضبوط نہیں ہوئی ہے۔ پچھلی دفعہ کچھ ڈیزل کے متعلق بات ہوئی تھی تو میں نے جا کر احکام دیئے تھے کہ فوراً ڈیزل دو۔ ایک جدید کاشت کار نے کہا تھا کہ ڈیزل کی کچھ کمی ہے۔ ان دنوں واقعی بارشوں کی وجہ سے ڈیزل کی کمی تھی تو کوشش میں نے یہ کی تھی کہ بہاولپور ڈویژن کو فوراً جتنا جلدی سے جلدی ڈیزل مل سکے اتنا ملے۔ PEST CONTROL کے انتظامات کو انشاءاللہ اور بہتر بنایا جائیگا۔ بینک مینجر کے انتظامات کے سلسلے میں وفاقی وزیر خزانہ سے معلوم کروں گا اور امید ہے کہ اس میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ اگر انہیں پہلے پچیس ہزار روپے قرضہ دینے کی اجازت تھی تو ہم اب بھی یہی کوشش کریں گے بشرطیکہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ پچھلی حکومت نے قرضے کن لوگوں کو دلوائے۔ ایک سیاسی پارٹی کے لیڈر نے اپنا تو نام لیا نہیں۔ اپنے پچاس مزارعوں کے نام سے پچیس پچیس ہزار روپے لئے۔ آج ہم ڈھونڈتے ہیں کہ وہ مزارع کہاں ہیں۔ نہ وہ آدمی ملتا ہے، نہ مزارع ملتے ہیں اور نہ بینک مینجر ملتا ہے۔ سب پیسے کھا گئے۔ اس لئے اب لوگوں کو اس طریقے سے خرد برد

کی اجازت تو نہیں ہو گی۔ البتہ ہماری کوشش ہے کہ اگر صحیح طریقہ مل جائے تو پھر پچیس ہزار روپے قرضہ دینے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیئے۔ انشاء اللہ اس کا جائزہ لے کر ہم آپ کو بتلائیں گے۔

کاٹن پالیسی کے متعلق میں نے بڑے زور شور سے کل تقریر کی کہ اس سلسلے میں مشکلات کیا ہیں۔ پاکستان کی معیشت میں جس طرح چاول ہے اسی طرح کپاس اور گیہوں ہے کیونکہ گیہوں تو باہر سے منگوانا پڑتا ہے اگر ملک کے اندر ہو جائے تو زرمبادلہ بچ جاتا ہے، لیکن چاول اور کپاس نہ صرف اندرونِ ملک ہماری ضروریات پوری کرتا ہے بلکہ بہت زیادہ زرمبادلہ بھی کماتے ہیں۔ اچھی فصل ہو گی زیادہ پیسے آئیں گے اور جیسا کہ آپ نے فرمایا ہمارا ابھی ایک ہی جائزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس سال ریکارڈ فصل ہو گی۔ اب اس کو بیچنے کے سلسلے میں دو دقتیں ہیں۔ اگر ہم اس کو پرائیویٹ سیکٹر میں لاتے ہیں تو پھر ہمیں کچھ دھاندلی ہونے کا اندیشہ نظر آتا ہے۔ وہ اس لئے کہ آج سے بہت سال پہلے جب کپاس کی خرید و فروخت میں پرائیویٹ سیکٹر کو شامل کیا گیا تھا تو پھر کپاس کی گانٹھوں کے اندر مرے ہوئے کتے بھی پائے گئے، اینٹیں بھی گئی ہیں، کپڑا بھی گیا ہے۔ آج کل کے زمانے میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ یہ حکومت کا ایک ادارہ ہے۔ ان کو اس چیز کی فکر نہیں ہے کہ زیادہ کما سکتے ہیں یا کم کما سکتے ہیں لیکن ذاتی طور پر جو آدمی تجارت کرتا ہے اسے منافع کا لالچ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے کچھ اس قسم کی وبا پھیلی ہوئی ہے کہ ہر شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ راتوں رات امیر بن جائے۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جہاں تک اندرونِ ملک کپاس کی خریداری ہے اس کے اندر ہر ایک شامل ہو سکتا ہے۔ کاٹن ڈیلر کاشت کار سے خریدیں۔ کاٹن ٹریڈنگ کارپوریشن والے جو پرائیویٹ ادارہ ہے وہ کاشت کار سے

خریدیں - جیننگ فیکٹری والا خریدے، ٹیکسٹائل والا خریدے، جو چاہے کاشت کار سے خریدے، لیکن SUPPORT PRICE ایک گٹھی کی ۱۳۸ روپے سے کم نہیں ملنی چاہیئے - دوسری بات یہ کہ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جو کپاس باہر جائے وہ معیاری ہو - پاکستان کا جو تھوڑا بہت نام بنا ہوا ہے اس کو قائم رہنا چاہیئے - اس میں کسی قسم کے کسی غلط طریقۂ کار کی اجازت نہیں دی جا سکتی - اس لئے ایکسپورٹ کے لئے ہم نے صرف گورنمنٹ کا ایک ادارہ کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن مقرر کیا ہے - مجھے معلوم ہے کہ اس میں کچھ خامیاں بھی ہیں، لیکن میں نے یہ بھی اجازت دی کہ اگر کوئی پرائیویٹ پارٹی کاٹن ایکسپورٹ کرنا چاہتی ہے، بڑے شوق سے کرے - گاہک ڈھونڈیں، انکے ساتھ سودا کریں، لیکن اس کی ایکسپورٹ کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کے ذریعہ ہوگی. آپ بطور ایجنٹ بیچ سکتے ہیں - آپ کا جو کمیشن مقرر ہوگا وہ گورنمنٹ خود قیمت میں شامل کرے گی - اگر آپ چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے یہ کام کیجئے، لیکن میری مجبوری سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ اس سال جتنی کپاس ہوئی ہے ہمیں امید کرنی چاہیئے کہ اگلے سال اس سے زیادہ ہوگی، لیکن اگر آپ پاکستان کی بتیس ۳۲ سال کی تاریخ دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ کپاس کی پیداوار میں بہت سے عناصر ایسے ہیں جن پر ہمارا کنٹرول نہیں ہے - آپ دیکھیں گے کہ کپاس کی پیداوار کا گراف اس قسم کا ہے کہ کبھی بڑھتی ہے، کبھی گھٹتی ہے، کبھی اونچی جاتی ہے کبھی نیچے جاتی ہے، لیکن دعا کیجئے کہ ابھی ہماری محنت سے کاشت کاروں کی محنت سے اگر کپاس میں اضافہ ہوتا ہے تو بہت سا زرمبادلہ کمایا جا سکے گا۔

گنے کی قیمتوں کا انشاء اللہ ہم جائزہ لیں گے. اس کے متعلق اکتوبر کے پہلے ہفتے میں اعلان کر دیا جائے گا - عام فصلوں کے متعلق ہم نے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ بوائی کے

وقت اس فصل کی قیمتِ خرید مقرر کی جائے۔ کپاس کی گیہوں کی چاول کی، گنے کی، لیکن دورانِ فصل یا فصل کی کٹائی کے وقت اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا تو اس لئے گنے کی فصل کی قیمت اور اس کے بعد گیہوں کی قیمت انشاء اللہ بوائی کے وقت بتائی جائے گی۔ جائیداد اور زمینوں کے الاٹمنٹ کے بارے میں آپ کے خیالات جنرل سوار خان صاحب نے سن لئے ہیں۔ چولستان میں جو زمین دی جائے گی، انشاء اللہ اس میں پہلے بہاولپور کے آدمیوں کو پھر بہاولپور کے علاقے کے آدمیوں کو ترجیح دی جائیگی۔ جو حضرات یہاں سوشل ورک کر رہے ہیں میں انکی تعریف بھی کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ ساتھ ان کو تحفہ بھی دینا چاہتا ہوں۔ پرسوں سے میرے دماغ میں ایک چیز آرہی ہے، لیکن کچھ ایسا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ ابھی تک میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے نہیں ہیں۔ آج یہاں سوشل ورک کا ذکر ہوا تو میں بہاولپور کے توسط سے پوری قوم سے اس کی اپیل کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس ایک لاکھ ترانوے ہزار افغان مہاجرین آئے ہیں اور جن کی تعداد روز بروز بڑھے گی۔ اب آئندہ مہینوں کے اندر جب موسم سرد ہوگا ان کی تعداد کے بڑھنے کا اور امکان ہے اور مجھے اس طرح نظر آرہا ہے کہ اگلے مہینے اکتوبر تک تقریباً دو لاکھ سے زیادہ افغان مہاجرین پاکستان کی زمین پر ہوں گے۔ بطور مسلمان، بطور پاکستانی یہ ہمارا فرض ہے کہ وہ آدمی جو کہ آپ کی سرزمین میں آکر آپ سے پناہ مانگے، میرا اور آپ کا فرض ہے کہ پہلے ان کو لقمہ دیں، پھر اپنے منہ میں جائے۔ میں اس سلسلے میں نہ صرف اہلِ بہاولپور سے بلکہ آپ کے وسیلے سے پورے پاکستان کے عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ ان مہاجرین کی امداد کی جائے۔ تمام فلاحی اداروں خصوصاً ہلال احمر کو بھی اس طرف توجہ دینی چاہیئے۔ اگلے مہینے سردی آرہی ہے، کمبل ہے، رضائی ہے جو کچھ بھی ہے کوئی آدمی یا کوئی ادارہ خوشی کے ساتھ آسانی کے ساتھ جو دے سکتا ہے وہ اپنے مہاجرین بھائیوں کے لئے تحفے کے طور پر دے حکومت

مہاجرین پر اس وقت چار روپے یومیہ فی مہاجر یعنی تقریباً آٹھ لاکھ روپے روزانہ خرچ کر رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے ہمارے کتنے وسائل ہیں اور کتنا ہم خرچ کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنے دوسرے اسلامی ممالک میں مسلمان بھائیوں سے اپیل کی ہے اور اقوام متحدہ سے بھی اپیل کی ہے۔ کچھ رقم دی گئی ہے اور امید ہے کہ وہاں سے عنقریب کچھ رقم آئے گی، لیکن میرے خیال میں ہمیں خود اپنی حق حلال کی کمائی میں سے اپنے بھائیوں کے لئے کچھ نہ کچھ دینا چاہیئے۔

آپ نے سنا ہو گا کہ نظام زکوٰۃ کا آرڈیننس ہم نے ابھی جاری کرنا ہے اور اس کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ میں اس نیک کام کی ابتدا بہاولپور سے کرنا چاہتا ہوں اور سب سے پہلا بیت المال ضلعی سطح پر جو قائم کیا جا رہا ہے، وہ انشاء اللہ کل سے بہاول پور میں قائم ہو گا اور وفاقی حکومت کی طرف سے وفاقی زکوٰۃ فنڈ میں سے دس لاکھ روپے کی رقم بہاولپور کے بیت المال میں دے دی جائے گی تاکہ یہاں کے غریب عوام پر اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اسے خرچ کیا جائے۔ بسم اللہ یہیں سے کریں گے۔ مجھے امید ہے انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی برکتوں سے یہ نظام ضرور کامیاب ہو گا۔

آپ نے نیشنل ایجوکیشنل کونسل کا ذکر کیا ہے۔ میں بھی اس کا جائزہ لے رہا ہوں۔ انشاء اللہ اگلی کیبنٹ میٹنگ میں اس پر بحث کرنے کے بعد اس پر عمل درآمد ہو گا۔

قومی لباس، قومی زبان کے متعلق کئی احکامات دینے کی ضرورت ہے۔ میں آپ سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ ہم جس محکمے میں ہوں، نہ صرف تعلیمی اداروں میں سوٹ وغیرہ کے چکر سے ہمیں نکلنا چاہیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں کوئی برائی نہیں لیکن یہ ذہنیت پر اثر ڈالتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ کرتا شلوار پہنیں تاکہ دور سے دیکھنے والا یہ کہے کہ بھئی یہ تو پاکستانی ہے۔ پاکستان کے اندر بھی اور پاکستان کے باہر

بھی جہاں تک قومی لباس کا تعلق ہے، میں آپ سے اپیل کروں گا اور یہ توقع کروں گا کہ ہم سب ہر ادارے میں خواہ وہ پرائیویٹ ہو یا گورنمنٹ کا ادارہ ہو، قومی زبان بولیں گے اور قومی لباس پہنیں گے۔

وزارت مذہبی امور اس وقت اوقاف کی ذمہ دار نہیں ہے کیونکہ اوقاف کا محکمہ ہم نے صوبوں کو منتقل کر دیا ہے، لیکن میں آپ کی تجویز سے بالکل متفق ہوں کہ وزارتِ مذہبی امور کو اسلام کی نشر و اشاعت میں ایک اہم کردار ادا کرنا چاہیئے۔ میں انشاء اللہ کوشش کروں گا۔ باقی باتیں جن کا آپ نے ابھی ذکر کیا ہے مثلاً نکاح، زکوٰۃ، عشر، مساجد اور دینی مدارس کی مالی مدد اور نواب آف بہاولپور نے جو اوقاف مقرر کیا تھا، یہ چار پانچ چیزیں ہیں جو جنرل سوار خان صاحب نے نوٹ کی ہیں۔ انشاء اللہ جلد اس کا کچھ نتیجہ نکلے گا۔ جہاں تک پولیس کے اندر خطیبوں اور اماموں کے تقرّر کا سوال ہے، میں جا کر وفاقی حکومت کی طرف سے تمام صوبوں کو ہدایت جاری کروں گا۔ جس طریقے سے فوج کے اندر امام اور خطیب ایک خاص اہلیت کے مطابق ایک یونٹ کا جو امام ہے وہ حوالدار بھی ہو سکتا ہے، نائب رسالدار بھی ہو سکتا ہے، کیپٹن بھی ہو سکتا ہے، میجر بھی ہو سکتا ہے، اس کی اہلیت پر منحصر ہے۔ اسی طریقے میں حکم جاری کروں گا کہ تمام صوبوں میں پولیس کی جو یونٹس ہیں اور جہاں جہاں امام اور خطیب کی ضرورت ہے وہاں ایک خاص طریقۂ کار کے ساتھ جو افواجِ پاکستان میں رائج ہے، اسی طریقے سے پولیس کے اندر بھی رائج کیا جائے۔ جہاں تک بہاولپور کی مسجد کا تعلق ہے جنرل اقبال صاحب نے آپ کی سفارش کو سن لیا ہے اور چونکہ یہاں مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بھی موجود ہیں، یہاں ڈپٹی کمشنر، کمشنر صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں، وہ بھی اس چیز کا جائزہ لیں گے۔

میں آخر میں آپ حضرات کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے نہایت اطمینان سے اپنے سوالات مجھ تک پہنچائے اور جو گزارشات میں نے کی ہیں ان کو سنا۔ مجھے بہاولپور سے بہت سی توقعات ہیں اور مجھے امید ہے کہ ہم نے جس جذبے سے آج چند ایک چیزوں کو سنا، جن کے متعلق کچھ ذکر ہوا، اسی طریقے سے ہم پاکستان کے تمام مسائل کو حل کرنے میں افہام و تفہیم کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ آپ کے کچھ ایسے مسائل ہیں جن کا میں نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ انشاء اللہ یہ لوکل گورنمنٹ ہے، مقامی حکومت ہے وہ اس کو حل کرے گی۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ صحیح معنوں میں اسلامی دماغ رکھنے والے اسلامی دل والے، اسلامی کردار والے آدمیوں کو چنیں۔ حلوہ اور پلاؤ کھا کر ووٹ نہ دیں۔

شکریہ!

فوج کے قافلۂ حجّاج سے خطاب

۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء

حکومت کی طرف سے افواجِ پاکستان کے اراکین پر مشتمل ایک قافلہ حج کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ راولپنڈی جی ایچ کیو گراؤنڈ میں اس قافلے سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاالحق نے ان خوش قسمت افراد کو مبارک باد دی اور کہا کہ اِس سعادت سے بہرہ مند ہونے والوں کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے اس دفعہ قافلے کی تعداد بڑھا دی گئی ہے۔

انہوں نے قافلے کے اراکین کو تلقین کی کہ راستے میں دوسرے ممالک کی افواج سے ملنے کا آپ کو موقع ملے گا۔ اُن کی پیشہ ورصلاحیتوں میں جو قابل قدر باتیں آپ کو نظر آئیں، انہیں نوٹ کر لیجئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ افواجِ پاکستان اور پاکستان دونوں کے نمائندے ہوں گے، اس لئے آپ کا کردار مثالی ہونا چاہئیے۔ خود بھی حج کی برکات سے فیضیاب ہوجیئے اور اپنے ملک اور قوم کے لئے بھی دُعا کیجئے۔ یہ ایک مقدس سفر ہے اس میں ہر لمحہ یادِ خدا میں گزاریئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

معزّز عازمینِ حج !

السّلام علیکم - آپ سب حضرات کو مبارک ہو کہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے پاکستانی فوج سے آپ منتخب ہوئے ہیں - بلاشبہ یہ بہت بڑی سعادت ہے - اس سعادت سے بہرہ ور ہونے والوں کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے اس دفعہ قافلے کی تعداد اور بڑھا دی گئی ہے اور ۱۲۲ افراد کو حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا جا رہا ہے۔ اس وفد میں فوج کے ہر شعبہ اور فارمیشن کو نمائندگی دی گئی ہے - آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو خانۂ کعبہ، مدینۃ الرّسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عطا کئے ہوئے کامل ترین دینِ اسلام کی مختلف نشانیوں کی زیارت نصیب ہوگی - اگرچہ ہر مسلمان حج کا متمنّی ہوتا ہے، لیکن حج کرتا وہی ہے جس کے نصیب میں ہو - لہٰذا آپ لوگوں کا انتخاب یقیناً رضائے الٰہی پر ہوا ہے - اس لئے اس کا جتنا بھی شکر ادا کر سکیں کم ہے۔

آپ اس سفر میں نہ صرف فوج کے نمائندے ہوں گے بلکہ پورے پاکستان کی بھی نمائندگی کریں گے - آپ کو راستے میں مختلف افواج کے لوگوں سے ملاقات کا موقع

ملے گا۔آپ کو چاہیئے کہ ان کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں میں جو قابل قدر باتیں نظر آئیں آپ ان باتوں کو نوٹ کریں۔ سفر کے دوران اور سرزمینِ حجاز پر قدم رکھنے کے بعد آپ کا رویّہ ہر لحاظ سے پاکستانی مجاہدین کے شایانِ شان ہونا چاہیئے۔آپ کو چاہیئے کہ آپ دوسرے ممالک کے قوانین کا احترام کریں اور آپس میں محبّت و اخوّت کو اپنا شعار بنائیں۔ ممکن ہے راستے میں اور حج کے دوران آپ کو بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔لٰہذا تحمل اور بُردباری سے کام لیں، ایک دوسرے کی مدد کریں اور اکٹھے رہتے ہوئے جماعت کی برکتیں بھی حاصل کریں۔

یاد رکھیئے کہ حج کی سعادت بار بار نصیب نہیں ہوتی۔ اس لئے اپنا زیادہ وقت عبادتِ الٰہی میں صرف کریں۔ جتنے طوافِ کعبہ کر سکیں کریں۔ واپسی پر طوافِ وداع ضرور کریں۔ مدینۃ الرّسول ؐمیں روضۂ اطہر کے پاس وقت گزاریں۔ واپسی پر مدینہ منّورہ میں سلام وداع ضرور کریں۔ سلامِ وداع کرتے وقت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو یہ سعادت دوبارہ بھی بخشے۔ حرمین الشریفین میں قبولیتِ دُعا کے لئے بہت سے مقام ہیں۔ جہاں آپ اپنے اور اپنے لواحقین کے لئے دُعا کریں گے، وہاں پاکستان کی سلامتی اور پاکستانی فوج کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار اور معاون ہو اور معرکۂ حق و باطل میں پاکستان کے مجاہدین کے دلوں کو استقامت عطا فرمائے اور ہر مشکل مرحلے میں ثابت قدم رکھے۔

آپ میرے لئے بھی دعا کریں اور ان تمام حضرات کے لئے بھی جنہوں نے آپ کو فریضۂ حج کے لئے بھیجنے کے سلسلے میں کام کیا ہے۔

آخر میں مَیں دعا کرتا ہوں کہ آپ کا سفر بخیر و عافیت گزرے۔ آپ کا حج اور آپ کی سعی آپ کی روحانی تطہیر کا موجب ہو اور روضۂ اطہر پر آپ کی حاضری قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین!

علاّمہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیمِ اسناد سے خطاب

۲۷ ستمبر ۱۹۷۹ء

علاّمہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ پاکستان، جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام کے تصورِ تعلیم کی تشریح کی۔ پاکستان میں فلسفۂ تعلیم کے مختلف ادوار بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہاکہ غلام قوموں کا فلسفۂ تعلیم اور ہوتا ہے، آزاد قوموں کا اور، اور نظریاتی قوموں کا اور۔

صدرِ پاکستان نے استاد اور طالبِ علم کے رشتے کا ذکر کرتے ہوئے کہاکہ اچھا استاد طالبِ علم کو علم کا نور ہی عطا نہیں کرتا بلکہ اُسے اعلیٰ کردار کی مشعلِ تاباں بھی دیتا ہے جس کی روشنی میں وہ سفرِ حیات طے کرتا ہے اور خلقِ خدا کی خدمت کرتا ہے۔ صدرِ پاکستان نے علاّمہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی لائبریری کے لئے پانچ لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ انعامات اور اسناد میں قابلِ ذکر ستاون سالہ امینہ خاتون تھیں، جنہیں ابتدائی عربی کا سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ یونیورسٹی کا معمر ترین طالبِ علم کراچی کا اکیاسی سالہ لقمان خان تھا، وہ بھی ابتدائی عربی کے سرٹیفکیٹ کا حقدار تھا۔ وہ خود سند لینے کے لئے حاضر نہ ہوسکا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وفاقی وزیرِ تعلیم محمد علی ہوتی صاحب،
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ایس۔ایم۔ زمان صاحب،
گرامی قدر اساتذہ،
عزیز طلبہ، معززین،
اور
خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ شاعرِ مشرق، مفکرِ اسلام، حکیم الامّت حضرت علّامہ اقبال کے نام سے منسوب اس یونیورسٹی کا چانسلر ہونا میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ میں اس عزّت افزائی کے لئے اوپن یونیورسٹی اور متعلقہ اصحاب کا شکر گزار ہوں۔ میں ڈاکٹر زمان اور ان کے رفقا کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے آج کی تقریب

میں مدعو کر کے آپ جیسے اہل علم حضرات اور خواتین سے مخاطب ہونے کا موقع دیا۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، یہ اوپن یونیورسٹی کی پہلی کانووکیشن ہے جو اس ادارے کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ میں آج اس موقع کی مناسبت سے اس یونیورسٹی کے کردار اور مقاصدِ تعلیم پر اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں۔

یہ یونیورسٹی ہمارے نظامِ تعلیم میں ایک ممتاز اور منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس کا وجود ایک ایسے نظریے CONCEPT پر قائم ہے جو اس سے پہلے یہاں نہیں آزمایا گیا۔ اس کی افادیت اور مستقبل کا انحصار اس بات پر ہے کہ یہ ابتدائی دور میں کہاں تک کامیاب ہوتی ہے۔ میں اسے اب بھی تجرباتی دور میں سمجھتا ہوں، لیکن صدق دل سے محسوس کرتا ہوں کہ اس تجربے کو ہر صورت میں کامیاب ہونا چاہیئے۔ وائس چانسلر صاحب کی رپورٹ سن کر میرے اس احساس کو تقویت ملی اور میرا خیال ہے کہ اگر آئندہ چند سالوں میں اس ادارے کو ڈاکٹر زمان اور اُن کے رفقا جیسے محنتی اور محب وطن استاد ملتے رہے تو یہ ادارہ انشاء اللہ اپنے عزائم میں ضرور کامیاب ہو گا۔

خواتین و حضرات!

تعلیم کے شعبے میں ہمارے مذہبی تقاضوں اور موجودہ حالات میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ہمارا مذہب حصول علم کی تاکید کرتا ہے۔ ہمارے نبیؐ پر جو پہلی وحی اتری اس کا پہلا لفظ تھا "اقرا" جس کے معنی آپ کو معلوم ہیں "پڑھنے" کے۔ رسول مقبولؐ پر بعد ازاں جو آیات الٰہی نازل ہوتی رہیں، ان میں بھی علم کا حصول مردوں اور عورتوں پر فرض کیا گیا۔ جیسا کہ آپ نے ڈاکٹر صاحب کی زبانی بھی سُنا، خود رسول پاکؐ نے گھوارے سے گھر تک اور اپنے ملک سے دور دراز ممالک تک علم

حاصل کرنے پر زور دیا - ہم اس مذہب کے پیروکار اور اس نبیؐ کی امت ہونے کے دعویدار ہیں، لیکن ہم میں سے اسیّ فیصد لوگ اَن پڑھ ہیں - وہ اس لئے اَن پڑھ نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ارشادات پر عمل کرنا نہیں جانتے یا نہیں چاہتے، بلکہ وہ اس لئے ان پڑھ ہیں کہ وہ ایک طویل عرصہ تک غیر ملکی تسلّط اور سامراجی غلبے کا شکار رہے ہیں اور آزادی کے بعد اگرچہ فروغِ تعلیم میں پہلے کی نسبت کافی پیشرفت ہوئی ہے لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے ان کی جہالت دُور نہیں کی جاسکی۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں کھولنے کے لئے جن وسائل کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہم بیک وقت مہیا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، اس لئے ہمیں قدم بہ قدم اور سال بہ سال چلنا ہوگا، لیکن جس طرح اوپن یونیورسٹی کام کر رہی ہے میں بڑا پر اُمید ہوں کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے ذریعے ہم اپنی منزل وقت سے بہت پہلے حاصل کرلیں گے۔

میں وزارتِ اطلاعات ونشریات اور تمام متعلقہ اداروں کو یہ ہدایت کروں گا کہ وہ ملک کے گوشے گوشے میں علم کی شمع روشن کرنے کے لئے اس یونیورسٹی سے پورا تعاون کریں - قومی سطح پر میں محسوس کرتا ہوں کہ جس طرح گاؤں گاؤں، محلّے محلّے اور شہر شہر میں بجلی کے قمقمے روشن کرنا ضروری ہیں، اسی طرح ملک کے گوشے گوشے میں علم کا چراغ جلانا بھی لازمی ہے - میں اس ترقی کو بالکل بے معنی سمجھتا ہوں جس میں باہر تو ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے، لیکن اندر سراسر تاریکی - اس کے برعکس اگر ذہن اور قلب روشن ہوجائیں تو وہ اپنے گرد وپیش سے تاریکی خود مٹا سکتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں ہر سال اوپن یونیورسٹی سے مستفید ہونے والے لوگ اپنے اپنے حلقے میں مزید علم کی روشنی پھیلانے کی کوشش کریں گے اور یوں دیئے سے دیا جلتا گیا تو ہم انشاء اللہ جہالت اور ناخواندگی کی تاریکی کے پردے جلد چاک کردیں گے۔ تعلیم کے ضمن میں تین باتیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں - پہلی یہ کہ کون پڑھا رہا

ہے۔ دوسری، کس طرح پڑھا رہا ہے اور تیسری، کیا پڑھایا جا رہا ہے۔ میں اس میں شامل نہیں کہ کون پڑھ رہا ہے اور کون پڑھا رہا ہے۔ میری مراد استاد کے ذاتی کردار اور اخلاق سے ہے کیونکہ ہمارے روایتی نظام تعلیم میں ایک استاد، طلبہ کو صرف معلومات مہیا نہیں کرتا بلکہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر انہیں اپنی شخصیت سے بھی متاثر کرتا ہے۔ اگر اس کی اپنی شخصیت منفی ہے اور غیر ملکی اقدار کی حامل ہے تو اس کا اثر یقیناً طلبہ اور طالبات پر بھی پڑے گا۔ اس کے برعکس اگر وہ خود مثبت اور قومی اقدار سے آراستہ ذہن رکھتے ہیں تو ان کی نگاہیں ان کے طلبہ کے ذہنوں کو بھی منور کریں گی۔ لہٰذا اشد ضروری ہے کہ صحیح ذہن اور سوچ رکھنے والے اساتذہ کو یہ ذمہ داری سونپی جائے، ورنہ تعلیم کے پردے میں پوری نسل کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ میں یہاں اساتذہ پر بھی زور دوں گا کہ وہ اپنے لباس، اپنی زبان اور اپنے کردار کے ذریعے صحیح معنوں میں پاکستانی قوم کے معمار بنیں۔ اگر کسی استاد کے متعلق مجھے یہ اطلاع ملی کہ وہ نئی نسل میں لادینی یا غیر پاکستانی نظریات کا زہر پھیلا رہا ہے تو اسے زہریلے پھوڑے کی طرح کاٹ کر الگ کر دیا جائے گا۔ دوسری بات طریقۂ تعلیم سے متعلق ہے جس کے کئی پہلو ہیں۔ ایک پہلو روایتی یا فاصلاتی طریقۂ تعلیم کا ہے۔ دوسرا فنی پہلو ہے اور تیسرا لسانی۔ پہلے دونوں پہلو خالص پیشہ ورانہ نوعیت کے ہیں جنہیں آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ میں صرف لسانی پہلو پر زور دینا چاہتا ہوں۔ چونکہ زبان صرف ذخیرۂ الفاظ نہیں، تہذیب و تمدن کا گہوارہ بھی ہوتی ہے، یہ ناممکن ہے کہ آپ زبان پڑھائیں انگریزوں کی اور قوم تیار کریں پاکستانی۔ چین، جاپان، روس، جرمنی، فرانس غرضیکہ ہر ملک اپنی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنا کر ہی قومی تشخص ابھارنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ماضیٔ قریب میں پاکستان میں اردو کو ذریعۂ تعلیم کے طور پر کئی سطحوں پر اپنایا جا چکا ہے، لیکن اس بارے میں

ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم جتنی جلدی قومی زبان کو اس کا جائز اور صحیح مقام دیں گے، اتنی ہی جلدی قومی سوچ اور قومی تشخص ابھار سکیں گے۔ تیسری بات نصابِ تعلیم CONTENTS OF EDUCATION سے متعلق ہے یعنی کیا پڑھایا جا رہا ہے۔
میرے خیال میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو چند ملازمتیں حاصل کرنے کے اہل بنانا تعلیم کا ادنیٰ ترین کام ہے۔ اس لئے جو لوگ اوپن یونیورسٹی کو الزام دیتے ہیں کہ یہ تعلیم پھیلا کر ملک میں تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ کر رہی ہے سراسر غلطی پر ہیں۔ تعلیم تو انگریزوں کے وقت میں بھی دی جاتی تھی، ہنر اس وقت بھی سکھلائے جاتے تھے، چھوٹی چھوٹی ملازمتیں اس وقت بھی مل جاتی تھیں، لیکن کیا ہم اسے صحیح معنوں میں تعلیم کہہ سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ان درس گاہوں کو ورکشاپ کہنا زیادہ مناسب ہوگا جہاں حکمرانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کلرک یا سرکاری ملازمین تیار کئے جاتے تھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم نے آزادی کی طویل جدوجہد صرف اس لئے کی کہ ہمیں نوکریاں زیادہ مل سکیں۔ کیا ہم نے لاکھوں جانیں اس لئے قربان کیں کہ ہمیں ملازمتیں درکار تھیں۔ نعوذ باللہ! اگر آج کوئی ملک ہمیں زیادہ ملازمین مہیا کرے تو کیا ہم اپنی متاعِ عزیز، اپنی قومی آزادی ان کی جھولی میں ڈال دیں گے۔
میں مانتا ہوں کہ پیٹ اس دنیا کی اہم حقیقت ہے اور وہ ملک صحیح معنوں میں آزاد اور خود مختار نہیں ہو سکتا جو اپنے باشندوں کا پیٹ نہیں بھر سکتا، لیکن ہر وہ ملک جو ہمارا پیٹ بھر دے، ہمارا ملک نہیں ہو سکتا کیونکہ اس دنیا میں پیٹ سے بڑی حقیقتیں بھی موجود ہیں۔ تخلیقِ کائنات کے مقاصد روٹی اور کپڑے سے عظیم تر ہیں۔ آزادی اور خود مختاری کے مفہوم مادی ضروریات سے بلند تر ہیں۔ میں نظامِ تعلیم اور اس سے متعلق تمام افراد اور اداروں سے توقع کرتا ہوں کہ وہ نہ صرف نوجوان لڑکے اور لڑکیوں

کو ملازمت حاصل کرنے کے اہل بنائیں گے، بلکہ انہیں ایک ایسی قوم میں ڈھالیں گے جن کی زندگی کا مقصد تخلیق کائنات کے مقصد سے ہم آہنگ ہو اور جن کے ذہنوں میں آزادی اور خودمختاری کا مفہوم دنیا کی مادی حقیقتوں سے اعلیٰ اور بلند ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ صحیح معنوں میں علامہ اقبال کے خوابوں کی تعبیر ہو۔ تقریباً ہر ملک کی تاریخ میں خاص طور پر اس کے اہم موڑوں پر نوجوانوں نے ہمیشہ تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے اور جب بھی قوم پر کوئی نازک وقت آیا ہے، اس نے ہمیشہ نوجوان نسل سے توقع کی ہے کہ وہ اپنی جواں ہمتی، بلند حوصلے اور قابلِ تقلید ولولے سے کام لے کر مشکلوں پر قابو پانے میں مدد دے۔ قیام پاکستان میں بھی نوجوان نسل، خاص طور پر طلبہ نے عظیم کردار ادا کیا تھا۔ اب پھر پاکستان ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور اپنی تاریخ کے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اب بھی قوم نوجوانوں سے توقع رکھتی ہے کہ اس کی بقا، استحکام اور خوش حالی میں اپنا تاریخی کردار ادا کرے۔ علامہ اقبال مرحوم نے ہماری رہنمائی کے لئے افکار کا جو گرانقدر خزینہ چھوڑا ہے، اس میں تعلیم اور اس کے مقصد کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی پہلی کانووکیشن کے موقع پر علامہ کے تین اشعار کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ پہلا شعر آزادی سے پہلے عہدِ محکومی میں تعلیم کے بارے میں ہے۔ ہندی مکتب کے زیرِ عنوان علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت گری و علم نباتات

لیکن جب محکوم، محکومی کی زنجیریں توڑ کر آزادی سے ہمکنار ہوتا ہے تو اس کا مقصد تعلیم علم نباتات تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اس سے اگلی منزل کا متلاشی بن جاتا ہے

اور اس منزل پر شاعرِ مشرق اساتذہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ؎

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

اور جب اس میں یوں مڑنے اور نئی شکل پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو علّامہ اقبال اس کا رُخ ایسی منزل کی طرف موڑتے ہیں جو تمام مسلمانوں بلکہ تمام نوعِ انسانی کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے ؎

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک

اگر آپ ملک میں ناخواندگی، غربت اور پس ماندگی پر نظر رکھیں تو کہکشاں اور ستاروں تک پہنچنے کے خواب آپ کو صرف شاعر کے ذہن کی اختراع لگیں گے، لیکن اگر آپ اپنے ملک کے سائنس دانوں اور فنی ماہرین کی طرف دیکھیں تو آپ کو ایسی مایوسی بھی نہیں ہو گی۔ میں گزشتہ چند دنوں میں کئی موقعوں پر کہہ چکا ہوں کہ ہمارے ہاں باصلاحیت افراد کی کمی نہیں۔ ان میں سے بعض اپنے اپنے میدان میں اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ اگر ہم نے ترقی کی یہ رفتار برقرار رکھی اور اس مٹی کو ذرا نمی میسر آتی رہی تو بعید نہیں کہ ایک روز پاکستان کے نوجوان علّامہ اقبال کی امید پر پورا اتر سکیں۔ ان نوجوانوں کو پرواز کرنے کے لئے تیار کرنے میں ہماری یونیورسٹیاں اور تحقیقی ادارے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور یہ شعر تو شاید علّامہ اقبال نے اوپن یونیورسٹی کی معمولی ابتدا اور غیر معمولی صلاحیتوں کو سامنے رکھ کر کہا تھا ؎

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

علم کی ابتدا جوئے آب کی طرح ہے، جوئے آب کی طرح معمولی لیکن اس کی انتہا بحرِ بیکراں سے عظیم تر ہوتی ہے۔ علم کی پیاس پیدا کرنا درس گاہوں کا کام ہے اور بحرِ علم سے فیض یاب ہونا طالب علم کا فرض ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ اس یونیورسٹی کی وساطت سے جن لوگوں میں علم کی پیاس پیدا ہوئی ہے، وہ اس کی تسکین کے لئے ذاتی طور پر تحصیل علم جاری رکھیں گے کیونکہ علم سے بالاتر اور عظیم تر کوئی اور دولت نہیں ہے۔ آخر میں سند یافتہ اور انعام پانے والے طلبہ اور طالبات کو مبارکباد دیتا ہوں اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے آج کی تقریب میں مدعو کرکے میری عزت افزائی فرمائی۔ میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے پہلے کانووکیشن کے موقع پر اس کی لائبریری کے لئے ایک حقیر سی رقم پانچ لاکھ روپے بطور عطیہ دینے کا اعلان کرتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

اشاریہ

شائع کردہ
محکمۂ فلم و مطبوعات
وزارتِ اطلاعات و نشریات
حکومتِ پاکستان،
اسلام آباد

برق سنز پرنٹرز لمیٹیڈ۔ اسلام آباد